

U0883

00883

از دفتر امامیہ مشن - حسین آباد - لکھنؤ

نماطہ و کلام

۲۷۵

سیرت النبی

دوسرا ادیشن

مطبوعہ سہ فرارز قومی پریس و کتب خانہ سیرت النبی

قیمت فی جلد چار آنہ

دوسرا ایڈیشن

تاریخ سید اکبر شاہ

مصنفہ

عالیجناب العلماء مولانا مولوی عسکری نقی صاحب قسبلہ

مجتہد العصر مدظلہ

امامیہ شہنشاہ کی پہلی دینی خدمت

کا دوسرا دور

بدور دگر عالم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے بحق محمد آل محمد صلوات اللہ علیہم لم معین ہماری اس دینی خدمت کو قبول فرمایا اور اس رسالہ کی ایک ہزار جلدیں پہلی مرتبہ شائع کی گئیں۔ ایک ماہ کے اندر ختم ہو گئیں اور اب ہم بھرا ہوا دوسرا ایڈیشن قوم کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

اب کی مرتبہ جناب مصنف علامہ مظاہر العالی نے چند مطالب کا اضافہ نیز بعض غلط فہمیوں کا فرید ازالہ فرمادیا ہے۔ ہر قوی امید ہے کہ ہر روان قوم اس ایڈیشن کو بھی رائے سے زائد تعداد میں خرید فرما کر غیر شیعہ حضرات میں مفت تقسیم فرمادینگے اور عند اللہ و عند الرسول ماجور ہوتے ہوئے ہماری ہمت افزائی کا سبب بن کر اس مرتبہ ہم پھر عامۃ اہل اسلام کو توجہ دلاتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ وہ اس موضوع پر کامل سکون و اطمینان کے ساتھ غور کر کے صحیح رائے قائم کرنے کی کوشش فرمادینگے۔

خادم ملت

سید ابن حسین عفی عنہ

آئری می سکرٹری۔ امامیہ شہنشاہ کی پہلی دینی خدمت

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۱۹۱۲

۱۱۲۷

وله الحمد والصلوة على نبيه وآله

تمہید :- کہنے کو قاتلانِ حسینؑ مسلمان تھے اور اسی بنا پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے کس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن تاریخی واقعات اس حقیقت کو بالکل بے نقاب کر دیتے ہیں کہ درحقیقت وہ نام نہاد مسلمان اسلام سے دور کا بھی علاقہ نہ رکھتے تھے۔

مذہب اٹلی نظریں ایک خود ساختہ گھروند اور دین و ایمان زاہد فریب بیکار کا ڈھکوسلا تھا، وہ دنیاوی جاہ و ثروت اور مادی ترقی و کامیابی کے آگے کسی دوسرے عالم اور اُس عالم کی جزا و سزا کا باور نہ کرنا سراسر کافیاں بھی ہیں میں مذلاتے تھے۔ لہٰذا یہی اُن کا حقیقی مذہب اور بے دینی اُن کا دین و اکین تھی جسکے مظاہر ت بھی حسب موقع اُن سے ہو جایا کرتے تھے اور انہی مظاہر ت کو تاریخ نے امتدادی کے ساتھ ہم تک پہنچا کر ہم کو اُنکے باطنی فیتوں پر حکم لگانیکا موقع دیدیا قتل حسینؑ کا اصلی بانی یزید بن معاویہ ہے جس نے کفر و اکاد اور لاد مذہبی میراث میں بانی تھی اور اس کا آخر تھا جہا لیت و اسلام میں ہر ا بر ظاہر ہوتا رہا۔

ابو سفیان جسکے ہاتھوں اسلام کو اپنے ابتدائی وسطی دور میں سخت مصائب اور خطرناک مواقع کا مقابلہ کرنا پڑا تھا اور بدر و احد و احزاب صرف اُنہی کی عداوت

اسلام کے کرشمے تھے وہ اگرچہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اسلام کے قدرتی جاہ جلال سے مرعوب ہو کر تسلیم خم کر چکا تھا لیکن کفر و شرک نفاق کی صورت میں ابھر کر اسکے دل میں ہمیشہ مضمر رہا اور مصلحت وقت کے باعث اس کو چھپائے رکھنے کی کوشش کے باوجود وہ اکثر مواقع پر سامنے بھی آتا رہا یہاں تک کہ جنگ یرموک میں جبکہ مسلمانوں کا مقابلہ سلطنت روم کے لشکر سے تھا اور معرکہ کارزار گرم تھا اس وقت ابرو سفیان دور سے کھڑا ہوا تماشا دیکھ رہا تھا جب رومیوں کو غلبہ حاصل ہوتے ہوئے نظر آتا تھا تو کہتا تھا ۔

”ایہ نبی الاصف یعنی شاہنشاہ ملک روم کے بہادر و اور جب مسلمانوں کو ذرا تقویت ہوتی تھی تو ابرو سفیان کی زبان سے حسرت و اس کے ساتھ یہ شعر نکلتا تھا۔
 وبنو الاصف الملوک ملوک
 التوم لم یبق منهم مذکور
 ہائے افسوس کہ سلطنت روم کے پر شوکت بادشاہوں کا نام مٹتے ہوئے نظر آتا ہے
 عبداللہ بن زبیر نے اس واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اپنے آپ زبیر سے بیان کیا اس وقت کہ جب مسلمانوں کو کابل طور پر فتح حاصل ہو چکی تھی تو زبیر نے کہا قاتلہ اللہ یا بنی الانفاقا اولساخیر الدین نبی الاصف خدا اس سے سمجھے یہ نفاق سے بزنہ آئیگا کیا ہم اسکے لئے رومیوں سے بہتر نہیں ہیں (دیکھو استیعاب ابن عبدالبر)
 اور جب مسلمانوں کی خلافت تیسرے درمیان نبی اُمیہ تک پہنچی اور حضرت عثمان

خلیفہ بنائے گئے اس وقت ابوسفیان اپنی عمر کے انتہائی دور میں تھا اور آنکھوں سے بھی معذور ہو چکا تھا، یہ خبر سن کر عثمان کے پاس آیا اور کہا کہ عرصہ کے بعد اب یہ خلافت تم تک پہنچی ہے۔ اس کو تم گیند کی طرح جدھر چاہو گردش دو اور نبی امیہ کے ذریعہ سے اسکی بنیادوں کو مضبوط کرو اس لئے کہ جو کچھ ہو وہ یہی دنیاوی سلطنت، انگلیا جنت و دوزخ اس کو تو میں کچھ سمجھتا نہیں۔ یہ واقعہ بھی ابن عبدالبر کی کتاب استیعاب میں جو مصر کے بعد خاص طور پر حیدر آباد میں طبع کی گئی، ہی موجود ہے۔ ان دونوں تاریخی واقعوں سے ابوسفیان کے اسلام کی حقیقت کھلتی ہے اور علوم ہوتا ہے کہ سینہ کی ہڈیوں کے اندر کفر و الحاد کے کیسے جراثیم پرورش پارہے تھے۔

اسی ابوسفیان کے خلیفہ و جانشین حضرت معاویہ تھے جن کے متعلق زبان کھولنے کے لئے بہت بڑی جرأت کی ضرورت ہو اس لئے کہ عام مسلمانوں نے انہیں بڑھاڑھا کر بڑے مرتبوں پر پہنچا دیا ہو لیکن مورخین اہل سنت مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اکثر واقعات کے اظہار میں کسی ذاتی رجحان اور خارجی دباؤ کا اثر نہیں لیا ہے بلکہ حقائق کو اصلی صورت میں پیش کر دیا ہو اگرچہ وہ خود انہی میں سے کسی کے مسلک عقیدہ کو لمبا میٹ کر دین معاویہ کی نظر میں مذہب کی وقعت جتنی تھی وہ اس واقعہ سے ظاہر ہو کر حقائق مجاشعی اور جاریہ بن قدامہ اور خنف یہ تینوں شخص امیر معاویہ کے دربار میں حاضر ہوئے، معاویہ نے جاریہ خنف کو حقائق زیادہ جائزہ عطا کیا جس پر حقائق نے اگر شکایت کی کہ آپ نے فلاں دو شخصوں کو

میسے ادھر ترجیح دی اور انکا مجھ سے زیادہ لحاظ کیا، معاویہ نے جواب دیا کہ
 اُن سے میں نے اُن کا دین و مذہب بدل لے لیا ہی، حقائق نے کہا پھر مجھ سے
 بھی میرا دین خرید لیجئے (ملاحظہ ہو استیعاب منطبقہ دائرۃ المعارف حیدر آباد
 جلد اول صفحہ ۵۵۱ و اسد الغابہ ابن اثیر جزری ج ۱ ص ۳۹۹)

اسی نوعیت کا واقعہ ابن اثیر جزری نے کامل التواتر مخزن لکھا ہے کہ منیرہ
 بن شعبہ نے بصرہ سے دس آدمیوں کو ۳۰ ہزار درہم رشتہ کے ساتھ یزید کی ولعہدی
 پر راضی کر کے اپنے بیٹے موسیٰ بن منیرہ کی سمیت میں معاویہ کے پاس بھیجا اور اُن
 لوگوں نے معاویہ کے سامنے یزید کی جانشینی پر اظہارِ مسرت کیا، اس وقت معاویہ
 نے آہستہ سے موسیٰ بن منیرہ سے پوچھا کہ سچ بتانا کہتے کو تیرے باپ نے ان لوگوں سے
 انکے دین و ایمان کو خرید لیا ہی، موسیٰ نے کہا کہ تیس ہزار درہم کو۔

ان دونوں واقعوں سے صاف ظاہر ہے کہ دین و مذہب کی ان نظروں میں
 کوئی وقعت نہ تھی اور روپیہ اشرفیوں یا صرف ظاہری آؤ بھگت پر لوگوں سے لٹکے
 دین و ایمان کو خرید کر لاندہ بیت کو رواج دیا جا رہا تھا،

اسلام کا مشہور و معروف مسلم القوت مویخ اور امام فن محمد بن جریر طبری اپنی
 تاریخ میں مشہور کیے واقعات لکھتے ہوئے رقمطراز ہے کہ عمر عاص اہل مصر کی ایک
 جماعت کے ساتھ معاویہ کے پاس دار اخلافہ شام بارہابی کے لئے آیا۔

(یہ وہ زمانہ تھا کہ عمر عاص معاویہ سے کسی حد تک برسرِ پرخاش تھا، اس نے

ان لوگوں کو سکھلا دیا کہ دیکھو جب تم معاویہ کے دربار میں جانا تو اُسے خلیفہ مکرر سلام نہ کرنا اور جہانتک ممکن ہو اُس سے حقارت کے ساتھ بات کرنا، اسکی وجہ سوتھاری ہیبت اُسکے دل پر قائم ہوگی، معاویہ کو جب ان لوگوں کے پہونچنے کی اطلاع ہوئی وہ اپنی زبان سے عمر عاص کی سازش کو مٹا رکھے اور دربانوں سے کہا کہ میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ نابغہ کے (عمر عاص) نے ان لوگوں کی نظر میں میری منزلت کو گھٹا دیا ہوگا لہذا تم خیال رکھو جب یہ لوگ آئیں تو ان کے ساتھ انتہائی سختی کرنا یہاں تک کہ ہر شخص کو ان میں سے یقین ہو جائے کہ اُسکی جان کی خیر نہیں رہے گی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب سے پہلے جو شخص معاویہ کے سامنے دربار میں حاضر ہوا وہ یوں آداب بجالایا کہ السلام علیک یا رسول اللہ بس پھر کیا تعاسب نے اُسی کی موافقت کی اور جو آیا اُس نے معاویہ کو رسول اللہ مکرر سلام کیا (تاریخ طبری ج ۶ ص ۱۸ مصر)

ایک خوش عقیدہ مسلمان کو اس واقعہ سے حیرت و تعجب کی انتہا نہیں رہ سکتی اسلامی دربار میں خلیفہ وقت کو رسول اللہ مکرر سلام کیا جائے اور اُن لوگوں کو کرا تو در کرنا معمولی سی تنبیہ بھی نہ کیجائے، اس سے ضمیر کا پتہ صاف چلتا ہے اور حقیقی مقصد واضح ہو جاتا ہے۔

خود حاکم وقت کو جانے دو، دُشِق کے بھرے ہوئے دربار میں کسی ایک شخص کا بھی اس واقعہ پر چین بچین ہونا تاریخ میں نظر نہیں آتا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

اسوقت اسلامی جذبات اور مذہبی احساسات کس درجہ فانی ہو چکے تھے۔

رسالۃ النجاشی کی عظمت عوام کی نظروں میں خلیفہ المسلمین سے زیادہ تھی جیسا کہ اُس واقعہ سے ظاہر ہو جسکو ابو حاتم سہل بن عثمان سجستانی بصری متوفی ۲۵۵ھ نے اپنی کتاب معری میں جو مصر کے مطبع سعادت میں ۱۳۲۸ھ میں شائع ہوئی ہے ص ۸ پر درج کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ معاویہ کو اشتیاق پیدا ہوا ایک ایسے شخص سے ملنے کا جس کی عمر بہت زیادہ طولانی ہو اور وہ اُس سے زائد قدم کے حالات دریافت کریں لوگوں نے حضرت موت کے ایک شخص کا پتہ دیا جس کا نام ادبن ابد تھا اور اسکی عمر تین سو ساٹھ برس کی ہو چکی تھی، اثنائے گفتگو میں معاویہ نے اُس سے دریافت کیا کہ تم نے ہاتھ کو دیکھا ہے، اُس نے کہا ہاں میں نے اُنکی زیارت کی ہے بہت شاندار بلند بالا خوبصورت شخص تھے پوچھا کہ امیہ کو بھی دیکھا، کہا کہ ان ایک بہت قامت اندھا آدمی تھا جسکے چہرہ سے شرارت ظاہر ہوتی تھی معاویہ نے کہا کہ تو نے محمد کو بھی دیکھا ہے، اُس نے ان معمولی لفظوں میں ایک مسلمان سے حضرت کا نام سنکر تعجباً نہ انداز سے پوچھا محمد کون؟ اہم کہا کہ وہی رسول خدا، یہ سنکر اُس نے کہا کہ "وائے ہو تم پر تم نے پہلے ہی اُنکا اس طرح احترام کے ساتھ نام کیوں نہ لیا جس کا خدا نے اُنہیں مستحق بنایا ہے، یوں کیوں نہ کہا کہ تو نے رسول اللہ کو دیکھا ہے؟" یہ واقعہ ابن اثیر جزیری کی اسد الغابہ (ج ۱ ص ۱۱۵) میں بھی موجود ہے۔

اس سے زیادہ شرمناک اور تعجب خیز واقعہ وہ ہے جس کو زبیر بن بکارت نے منقبتاً

میں درج کیا ہو، یہ زبیر محدثین اہل سنت میں بلند پایہ شخص اور صحاح ستہ کے
 رواۃ میں سے ہو وہ لکھتا ہو کہ مطرف بن مغیرہ بن شعبہ ناقل ہے کہ میں ابو بپ
 مغیرہ کے ساتھ دمشق امیر معاویہ کی خدمت میں بار یاب ہونے کے لئے گیا مغیرہ
 شاہی مہمان ہوئے اور روز معاویہ کے دربار میں جاتے اور جب واپس ہوتے تو معاویہ
 کے عقل و فراست اور تدبیر و دراندیشی کی تعریفیں کرتے تھے، ایک مرتبہ رات
 کو جو واپس ہوئے تو کھانے سے انکار کر دیا اور محزون و غمگین ہو کر بیٹھ گئے ہیں
 کچھ دیر انتظار کیا کہ یہ خود کچھ بولیں مگر انھوں نے کچھ نہ کہا تو میں نے خود دریافت کیا
 کہ آج آپ کے غمگین ہو چکی کیا جنت ہے؟ کہا بیٹا کیا تلوآن میں ایک ایسے شخص کے
 پاس سے آ رہا ہوں جو کفر و خباثت میں دنیا بھر سے زیادہ ہو۔ میں نے تعجب ہو کر پوچھا
 کہ یہ کیا؟ کہا کہ آج تمناؤں میں میں نے کہا کہ لے امیر المؤمنین اب آج کی کافی عمر ہو چکی ہے
 بہتر ہو کہ اب آپ عدل و احسان کو کام میں لائیں اور کتنا اچھا ہے کہ اب آپ اپنے
 رشتہ دار بنی ہاشم کی طرف بھی توجہ کیجئے اور ان کے ساتھ معاہدہ رحم فرمائیے۔ کیونکہ اب
 اُنکے پاس کوئی ایسا سامان نہیں رہا ہے جس سے آپ کو کچھ اندیشہ ہو اس طرح آپ کا
 ذکر جمیل اور اجر و ثواب دنیا و آخرت میں باقی رہ جائیگا۔

یہ سنکر معاویہ اہل بیٹے، کہا کہ یہ بات مہیات مجھ کو کس ذکر و جمیل کی امیر
 ہو سکتی ہے کہ جو باقی رہے، قبیلہ تیم کے خلیفہ (ابوبکر) نے سلطنت کی اور کیسے کیسے کام
 کئے اور کس طرح عدالت کی بھر کیا ہوا سوائے اسکے کہ ان کو جب موت آئی تو ان کا نام بھی

مردہ ہو گیا اور رسولؐ اسکے کہ لوگ کہیں حضرت ابو بکرؓ اور کوئی اثر نہ چھوڑا پھر قبیلہ
 عدی کے خلیفہ (عمرؓ) نے سلطنت کی اور دس برس کس عرق ریزی اور جانفشانی سے
 کارہائے نمایاں انجام دیئے اُن کا انجام بھی یہی ہوا کہ وہ خود مردہ ہو گئے اور اُن کا
 نام بھی مردہ ہو گیا سو اسکے کہ لوگ کہیں حضرت عمرؓ لیکن یہ ابن ابی کبشہ (یہ وہ نام ہے
 جس سے کفار قریش حضرت رسولؐ کو یاد کیا کرتے تھے) روزانہ باج و فہ اذان میں
 اُس کا نام اس طرح پکارا جاتا ہے کہ اشھد ان محمدؐ رسول اللہؐ پھر اب محمدؐ کو اپنے
 کس کا نمایاں کے بقا کی امید ہو اور کونسا نام میرا باقی رہ سکتا ہے کچھ بھی نہیں
 آخری انجام زمین میں دفن ہونا ہے اور بس (نصالح کا فہیہ محمد بن عقیل حضرمی ص ۹۳)
 اسی زاد اکا پوتا اور اسی باپ کا بیٹا یزید تھا جس کو اتفاقات زمانہ اور باپ
 کی حسن سیاست نے مسلمانوں کی گردن پر سوار کر دیا تھا۔ اُس کے اقوال و افعال
 سب ہی اُس کے عقیدہ کے آئینہ دار تھے، افعال کا یہ عالم کہ وادی نے عبداللہ
 بن حنظلہ غیل الملائکہ کی زبانی نقل کیا ہے کہ خدا کی قسم ہکوزید کی حکومت میں یہ
 خوف ہو گیا تھا کہ اب آسمان سے ہم پر پتھر برسائے جائیں گے وہ ایسا شخص تھا
 جو اپنی مان بیٹیوں ہنون تک کو نہ چھوڑا تھا اور شراب آزادی سے پیتا تھا اور
 نماز کو ترک کرتا تھا۔ (صواعق محرکہ ابن حجر ص ۱۲۵ طبع مصر)
 اور اقوال کا یہ حال کہ بھرے دربار میں اُسکی زبان ان اشعار کے ساتھ
 مترفع تھی۔

لیت اشیائخی بیدر شعد وَا جزع الخروج من وقع الاصل
کاش میرے جنگ بدرو لے بزرگ موجود ہوتے اور وہ شاہد کرتے فریق مقابل
کی گھراہٹ کا نیرون کے مقابلہ میں۔

لعبت هاشم بالملات ولا خبر جاء ولا وحى نزل
یہ تو نبی ہاشم کو سلطنت کا کھیل کھیلنا تھا، نہ کوئی خبر آئی تھی نہ آسمان سے
کوئی وحی اتری تھی۔

لست من خندف ان لها اتقم من نبی احمد ما کان فعل
میں اپنے بزرگوں کی نسل سے نہیں اگر محمد کی اولاد سے اُنکے کئے کا بدلہ لون
فجز بنا هم بیدر مثلها و باحد یوم احد فاعتدل
جو جنگ بدرو واحد میں ہمارے ساتھ سلوک ہوا تھا اُس کا ہم نے پورا پورا
بدلا لے لیا۔

لور اوہ لاستهلو اخرها ثم قالوا یا یزید لا تسئل
اگر میرے بزرگ اس موقع کو دیکھ لیتے تو خوشی کے مارے کھلجاتے اور کہتے کہ
اے یزید کبھی تیرے ہاتھ شل نہوں۔

یہ وہ اشعار تھے جو نشہ شراب اور نشہ فح و نصرت دوہری سستی کے عالم میں
یزید کی زبان سے نکل رہے تھے اور وہ اپنے ذاتی خیالات کو بغیر کسی اندیشہ کے
ظاہر کر رہا تھا اور علامہ سبط ابن جوزی نے انہی اشعار کی بنا پر مصریحی طور سے

اسکے کفر کا فتویٰ دیا ہے اور یہ بھی کہا ہو کہ اگر یزید کے دل میں زمانہ جاہلیت کی عداوت اور بدرواحہ کے انتقام کا جوش نہ ہوتا تو کم از کم وہ حسینؑ کے ساتھ ہجرتی نہ کرتا اور اسکے دفن و کفن کا حکم دیتا اور زنانہ جاہلیت کے ساتھ عزت و احترام کا سلوک کرتا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اسکے دل میں کفر و جاہلیت کے جذبات موجود تھے جو اسکو جاہلیت رسول کے ساتھ کسی بد واداری پر آمادہ نہ ہونے دیتے تھے محمد بن جریر طبری کہ جنہیں یزید کے ساتھ کافی خلوص ہوا اور تاریخی مسلمات کے خلاف جاہلیت رسالت کے ساتھ یزید کے حسن سلوک کی حکایتیں نقل کرنے میں انہیں لذت محسوس ہوتی ہو وہ بھی اس موقع پر کہ جب یزید نے اہل حرم کو اتم واری کی اجازت دی ہو اور غارت شدہ اموال کو واپس کیا ہو حضرت سکیہ بنت الحسین کی زبانی یزید کی مح میں جو فقرہ نقل کرتے ہیں وہ یہ ہو کہ ما دایت رجلا کا فر اباً للہ خیراً من یزید بن معاویۃ، "میں نے کوئی کافر شخص کو جو خدا پر ایمان نہ رکھتا ہو یزید بن معاویہ سے بہتر نہیں دیکھا طبری ج ۶ ص ۲۶۷) اس سے بھی یزید کے مذہب پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

یزید کے بعد دوسرا شخص جسے قاتل امام حسینؑ کہا جاسکتا ہو وہ پسر جنانہ عبید اللہ بن زیاد ہو جو یزید کے ساتھ کج جان و دو قالب کی حیثیت رکھتا تھا اور اسکے متعلق یزید نے اپنے ان اشعار میں اظہار خیال کیا ہے۔

سقتی شربۃ تووی مشاشی ثم قم واسق مثلھا ابن زیاد
ہاں لے ساقی موش مجھ کو ایک یا ساغر پلاوے جو میرے جسم کے ہر جڑ بند کو سیراب

کر دے پھر کھڑے ہو کر ایسا ہی ایک جام ابن زیاد کو پلا۔

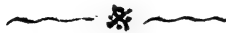
صاحب الود و الامانة و التصدق و المغنی و جہا

وہ کہ جو خالص دوست اور امانت دار اور میری تائید کرنے والا اور میرا سرمایہ زندگی اور جنگ میں میرا ہمدست ہے۔

اس شخص کا کفر و الحاد اور احکام خدا و رسول سے روگردانی طشت از بام
تھی اور کوفہ کے عام افراد بھی اُس سے خوب واقف تھے چنانچہ اُس موقع پر جب
حضرت مسلم ہانی بن عروہ کے گھر پر فزوکش تھے اور شریک بن اعور کی عیادت کیسے
ابن زیاد کے آنے کی خبر معلوم ہوئی اور شریک نے حضرت مسلم سے کہا کہ یہی موقع ہے
اس کو قتل کر ڈالئے لیکن ابن زیاد آیا بھی اور چلا بھی گیا مسلم نے کوئی اقدام اُس کے
قتل پر نہ کیا، شریک نے اُس کے جانے کے بعد مسلم سے اس کا سبب پوچھا تو مسلم
نے کہا خصلتان اما احد اھما فکراھتہ ہانی ان یقتل فی دارہ و
اما الاخریٰ فحدیث حدیثہ الناس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
ان الایمان قید الفتک ولا یفتک مومن۔ اُس کے دو سبب تھے پہلے تو
یہ کہ ہانی کو یہ امر نا پسند تھا کہ ابن زیاد اُس کے گھر میں قتل کیا جائے دوسرے
یہ کہ جناب رسالت کا ب کی حدیث ہے کہ ایمان قتل پر پابندی عائد کر دینے والا
ہے اور کوئی مسلمان قتل نہیں کیا جاسکتا۔
یہ سنکر ہانی ملے کہا۔

اما واللہ لو قتلته تقتلت فاسقا فاجرا کافرا غادرا ولکن
کرہت ان یقتل فی داری۔

خدا کی قسم آپ یقین جانتے کہ اگر آپ اس کو قتل کر ڈالتے تو یہ کسی مسلمان
کو قتل نہ ہوتا بلکہ ایک فاسق فاجر کافر غدار کا قتل ہوتا، بے شک مجھ کو یہ امر
ببند نہ تھا کہ وہ میرے گھر میں قتل ہو۔ (طبری ج ۶ ص ۲۷۷)



تیسرے شخص جو قتل حسین کا براہ راست ذمہ دار کہا جاسکتا ہے وہ عمر بن سعد
ہے اُسکے اسلام کی حقیقت ان اشعار سے ظاہر ہے جو اُس شخص موقع پر نظم کئے
تھے کہ جب ابن زیاد نے اُس کو قتل امام حسین پر مامور کیا ہے۔

فواللہ لا ادری وانی لحائر افکر فی امری علی خطرین
خدا کی قسم میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور میں حیران ہوں، میں اپنی نسبت عظیم
اتون میں فکر کر رہا ہوں۔

انترک ملائک الموی والموی منینی ام صبح ماؤ ما بقتل حسین
کیا میں ملک رکھے کہ ہاتھ سے جانے دوں حالانکہ ملک رکھے کی مجھ کو مدت سے آرزو
ہے یا میں حسین کو قتل کر کے ہمیشہ کے لئے گھناؤنا رہوں۔

الا انما الدنیا بخیر معجل وما عاقل باع الوجود بدین
یاد رہے کہ دنیا نقد و حاضر راحت کا نام ہے اور کون عاقل ہے جو نقد کو قرض کے

عوض بیج ڈالے۔

يقولون ان الله خالق جنتنا ونار و تعذيب و سئل يديين
لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے کوئی جنت خلق کی ہے اور آگ اور عذاب اور ہاتھوں
کی ہتھکڑیاں۔

فان صدقوا فليقولون انني اتوب الى الله من سفتين
اچھا تو اگر یہ لوگ سچے ہیں ان باتوں کے کہنے میں تو کوئی حرج نہیں ہو زمین و آسمان
برس کے اندر اس گناہ سے توبہ کر لوں گا۔

وان كذبوا فربا دينا عظيمة و ملك عظيم و اسم السجدين
اور اگر یہ غلط کہتے ہیں اور جنت و دوزخ کی کوئی حقیقت نہیں تو پھر کیا ہو، پھر
تو ہم ایک عظیم دنیا اور ایسے ملک کے حامل کرنے میں کامیاب ہوئے جسکی آیتیں
باقی رہنے والی ہیں۔

ان اشعار میں سرکشی طور پر عقیدہ معاد اور جنت و دوزخ کے وجود کا
مذاق اڑایا گیا ہے۔

جب حکام و رؤسا کا یہ عالم تھا تو دوسروں کا کیا پوچھنا، وہ تو انہی لوگوں
کے اشارہ پر چلنے والے اور ان کے آلہ کار تھے۔ ان کا غرض نہ یہ کہ وہ اپنے
سکون کے علاوہ کچھ نہ تھا، ان لوگوں کو مسلمان کہنا اسلام کے دامن پر ایک بڑا
داغ لگانا ہے اور حقیقت ان سے اسلام کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ تاریخی حقیقت

ہر جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں اور اسکے بعد اس سوال کا موقع ہی نہیں رہتا کہ یہ لوگ سنی تھے یا شیعہ، اسلئے کہ سنی شیعہ کا افتراق اسلامی مشترکہ اصول عقائد کو تسلیم کر لینے کے بعد پیدا ہوتا ہے اور جب خود اسلام دہن کش نظر آتا ہو تو سنی شیعہ کی تفریق بے موقع ہے لیکن افسوس ہے کہ وہ افراد جنہیں خواہ مخواہ ختمات پیدا کرنے میں لذت محسوس ہوتی ہے اور بے بات کی بات پیدا کر کے اسلامی جامعہ میں تضاد پیدا کرتے ہیں وہ اس خیال کو بہت اہمیت دیتے ہیں کہ قاتلانِ امام حسینؑ خود شیعہ ہی تھے اور یہ دعویٰ ٹرسے زور و شور سے ان مخلوق میں پیش کیا جاتا رہا ہے چونکہ تاریخی نصوص دشواہ اس دعوے کو بالکل بے بنیاد ثابت کرنے میں ہم آواز ہیں لہذا ایک تاریخی فرض کی حیثیت سے ہم نے قصد کر لیا ہے کہ ہم اس سلسلہ میں عام اسلامی مستند کتب سے تاریخی حقائق کا ایک سلسلہ قلمبند کریں جس کے بعد وہ دن میں نفل اور زبانوں میں گرہ پڑ جائے اور پھر کبھی اسکی جرأت نہ ہو کہ قاتلانِ حسینؑ کو شیعہ کہا جائے۔

قاتلانِ حسینؑ کی مذہب پر اجمالی نظر

گذشتہ حصہ کلام میں جو کچھ حوالہ قلم ہوا وہ اس سنگ انسانیّت جماعت کے بلطنی عقائد کی بنا پر تھا جس کی پردہ دری تاریخ کے ہاتھوں نے کر کے صاف واضح کر دیا ہو کہ اس جماعت کے دل میں اسلامی عقیدہ کا کوئی نقش قائم نہ ہوا تھا بلکہ ائمہ مذہب

عین لاندہی کی تصویر تھا لیکن اس میں شک نہیں کہ ظاہری حیثیت سے یہ افراد مذہب اسلام کے حلقہ بگوش تھے اور انکی لاندہی جس درجہ پر بھی ہو اُس پر اسکی ورسعی مذہب کا ایک ہلکا سا پردہ پڑا ہوا ضرور تھا جس کی بنا پر یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ ان کا تعلق اسلام کے کس فرقہ سے تھا؟ اس امر کی تحقیق کے لئے

(۱) امام حسین کے قتل کی کیا وجہ تھی؟

(۲) جس بنیاد پر اس عظیم قتل کا ارتکاب کیا گیا تھا اُسکی جگہ کس فرقہ

کے اصول و تعلیمات میں نکالی جاسکتی ہے؟

ان دونوں تحقیقوں کے حل کرنے کے بعد یہ سوال خود بخود حل ہو جائیگا کہ اس قتل پر اقدام کرنے والے کس فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

تاریخی حیثیت سے یہ امر قابل انکار ہے کہ قتل امام حسین کی بنیاد اسلام کے بعد نبرد کی خلافت اور اُس کے تسلیم کرنے کے لئے حسین بن علی سے دعوت پر اسرار اور حسین کا اس خلافت کے تسلیم کرنے سے انکار اور اپنی بات پر کٹر وقت تک ہزار ہا مصیبتیں سہانے آنے پر بھی قائم رہتا ہے۔

یہی چیز وہ تھی جس نے دنیا کی اس طویل و عریض وسعت کو فرزند رسول کو تنگ کر دیا تھا اور جس کی بنا پر انصاف کی طرف اشارہ ملتا رہا اور اس بیگناہ کے خون کی پیاسی ہو گئی تھی۔

وہی وقت جب امیر معاویہ بقول ابن حجر مکی (۱) یزید کی محبت میں اندھے ہو کر مسلمانوں سے اپنے ہمہ تن فسق و فجور بیٹے یزید کی بیعت لے رہے تھے اور اُسکی ولیعہدی کو تسلیم کرانے کے لئے شام و عراق کے خزانے اور حیلہ گری و سیاست کے تمام ہتھکنڈے صرف ہو رہے تھے اور عالم اسلام کا ہر جزو و کل تابع فرمان ہو چکا تھا اُس موقع پر بائچ شخص ایسے تھے جو حاکم شام کی تمام سطوت و قوت اور تدبیر و سیاست کے باوجود اپنی بات پر قائم تھے اور یزید کی بیعت کرنا اپنے لئے ننگ سمجھتے تھے جن میں سب سے پہلا نام حسین بن علیؑ کا ہے اور ابکی دیکھا دیکھی عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمن بن ابی بکر اور عبداللہ بن عباس بھی یزید کی بیعت سے انکار کرتے تھے۔

امیر معاویہ پر یہ امر چھپا ہوا نہ تھا کہ اس جماعت میں سب سے زیادہ نمایاں ہستی حسینؑ کی ہے اور اس بنا پر خود مدینہ میں آکر سب سے پہلا کام جو کیا وہ یہ کہ حسینؑ بن علیؑ کو بلو کر کہا کہ اس معاملہ میں تمام لوگ ہمارے ہو چکے ہیں سوائے بائچ آدمیوں کے قریش میں سے جن کی سرکردگی تم کر رہے ہو۔ حضرت نے متعجبانہ انداز سے کہا انا تو دھم میں انکی سرکردگی کرتا ہوں؟ معاویہ نے دیدہ دلیری کے ساتھ کہا نعم انت تقودھم بینک آپ ہی انکے سرکردہ ہیں؟ یہ سنکر حضرت نے فرمایا تو اسکی تدبیر یہ ہے کہ آپ دوسرے لوگوں کو بلو کر ان سے بیعت کا مطالبہ کیجئے اگر

(۱) تطہیر الجنان حاشیہ صواعق طبع مصر ص ۵۸

اُن سب نے بیعت کر لی تو تنہا مجھ سے آپ کو کسی اندیشہ کی ضرورت نہیں یہ سب دفع الوقتی کامیاب ہوئی اور نتیجہ میں امیر معاویہ کی یہ کاوش بے سود ثابت ہوئی اس لئے کہ آخر تک سولے عبداللہ بن عمر کے جو ایک کمزور دل اور عقیدہ کے شخص تھے ان اشخاص میں سے کسی نے بیعت کی ہامی نہیں بھری تاہم طبری جلد ۶ صفحہ ۴۱

امیر معاویہ اپنی زندگی کے دن پورے کرچکے اور ۵۷ء کے درمیانی عمر میں رجب سنہ ۴۷ میں رحلت کر گئے، بڑی تخت خلافت پر متمکن ہوا اور تمام اہل شام نے بیعت کی، دنیا تمام زریب وزینت کے ساتھ زریہ کے سامنے موجود تھی اور تاج و تخت، مال و دولت، حشم و خدم اور عیش پرستی و شہوت رانی کے تمام ذرائع و اسباب پوری فراوانی کے ساتھ مہیا لیکن ایک خیال تھا جو اس کے دل و دماغ کو پریشان کئے ہوئے اس کی نظروں میں اس تمام جاہ و حشم کو خاک سیاہ بنائے ہوئے تھا اور وہ اُن چہرہ آدمیوں کا بیعت سے انکار کر جن میں ادل درجہ کی شخصیت حسین بن علیؑ کی تھی، اس نے تخت سلطنت پر قدم رکھتے ہی پہلا کام جو انجام دیا وہ یہی کہ اپنے چچا زاد بھائی ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو جو مروان کی مغزولی کے بعد اس زمانہ میں مدینہ کا حاکم تھا خط لکھا۔

(من یزید امیر المؤمنین الی الولید بن عتبہ اما بعد فان معاویۃ کان عبدل من عباد اللہ اکرمہ اللہ واستخلفہ و خولہ

وَمَكَّنَ لَهُ فَعَّاشٌ يُقَدِّرُ مَوَاتٍ بِأَجَلٍ فَرَحِمَهُ اللَّهُ فَتَدْعَاشُ
مَحْمُودًا وَمَوَاتٍ بِرَأْفَتِهِ وَالسَّلَامُ

خط کا مضمون ختم ہو گیا اور اس میں سوائے معاویہ کے انتقال کی خبر کے
کچھ نہیں ہے لیکن اسکے ساتھ ایک چھوٹا پرزہ کاغذ کا اور تھا جس پر یہ تحریر تھا
اے ابا عبد اللہ محمد حسینا و عبد اللہ بن عمر و عبد اللہ بن الزبیر بالبیعتہ اذنا
سند ید الیست فیدرخصہ حتی یبایعوا و السلام

"دیکھو حسین اور عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن الزبیر کو بیعت پر بہت سختی
سے مجبور کرنا اور جب تک یہ لوگ بیعت نہ کر لیں دم نہ لیا"
ولید البوسفیان کا پوتا اور معاویہ کا بھتیجا بھی لیکن کمزور دل کا شخص تھا اور
حسین کی عظمت و شخصیت کا اثر ایک حد تک اس پر قائم تھا، اس میں اتنی ہنسی
اور تمکیشی بھی نہ تھی کہ ایک بیگناہ کا خون بہاتے ہوئے اسکو لذت محسوس ہو زید
کے فرمان شاہی نے اس کے باطنی جذبات میں ایک عظیم تاظم پیدا کر دیا اور وہ
اس شمش و بیخ میں تھا کہ زید کے اس حکم کو کس طرح انجام دیا جائے۔

بیشک ننگ اسلام لیکن ساتواں خلیفہ مسلمین مروان بن حکم جو ابتدا ہی میں
رسول اللہ کی بارگاہ سے ملعون بن ملعون کا لقب پا چکا تھا (۱) اس نے یہی مشورہ
دیا کہ حسین سے بیعت طلب کرو اور اگر وہ ہجرت نہ کر میں تو ان کا سر متہلم کر کے

(۱) چوہا حیوان دیرزیج ارضتہ بکرا ارضتہ حاکم

نیزید کے پاس بھیجو۔ ولید اپنی ذاتی صلح بے بندی کے باعث اسکا مشورہ قبول کرنے سے مجبور رہا لیکن حسین بن علی کو بلا کر نیزید کا پیغام پہنچا دینے میں اس نے کوتاہی نہیں کی اور اگر حسین عاقبت اندیشی کر کے غیر معلوم طریقہ پر مدینہ رسول کو خالی نہ کرتے تو ولید ہی عمر سعد کی طرح باوجود ذاتی کراہت کے مال و جاہ دنیا کی طمع اور سطوت حکومت کے خوف میں اقدام کرتا اور یا کوفہ کے نمان بن بشیر کی طرح اسکو معزول کر کے مروان بن الحکم یا اسکے ایسے کسی سفاک اور سخت ترین دشمن اہل بیت کو مدینہ کا حاکم مقرر کر کے فرزند رسول کے خون سے مدینہ رسول کی زمین کو گل رنگ بنا یا جاتا (مذکورہ بالا واقعات کی تصدیق کے لئے ملاحظہ ہو طبری ج ۶ ص ۱۸۵ - ۱۹۰)

فرزند رسول کہ معطل ہو چکے اور کچھ روز قیام کرنے کے بعد حضرت مسلم کو حالات کا مشاہدہ کرنے کے لئے کوفہ روانہ کیا، کوفہ کی خلقت نیزید کے افعال و کردار سے واقفیت کے باعث اسکی خلافت سے بیزار تھی اس لئے مسلم کا خوشگوار طریقہ پر استقبال کیا، نمان بن بشیر انصاری جو اسوقت کوفہ کا حاکم تھا وہ صلح پسند بے شر آدمی تھا اور اس نے مسلم سے بغیر معقول سبب کے کوئی تعرض کرنا مناسب سمجھا۔ مخبروں نے خلیفہ وقت یزید کو اطلاع دی کہ مسلم بن عقیل کوفہ میں آئے ہیں۔ اور یہاں کے لوگوں نے حسین بن علی کی بیعت کی ہے نمان بن بشیر فطرۃ کمزور شخص ہے یا کسی وجہ سے کمزوری کر رہا ہے اگر آپ کو کوفہ کی حفاظت کرنا ہو تو ایک مضبوط آدمی

یہاں مقرر کیجئے جو آپ کے حکم پر کامل طور سے عمل کرے۔

یزید نے سرجون معاویہ کے رازدار غلام کو بلا کر مشورہ کیا، اُس نے معاویہ کا فرمان نکال کر دکھایا جو انھوں نے آخر وقت عبید اللہ بن زیاد کے نام کو فدی کی حکومت کے بارے میں لکھا تھا، یزید بڑھے باپ کی اس برسرِ وقت پیش بندی کو دیکھ کر پھل پڑا اور فوراً ابن زیاد کے نام جو اس وقت بصرہ کا حاکم تھا خط لکھا کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے مسلم بن عقیل کو فدیہ میں آکر وہاں کے لوگوں کو مجھ سے سخت کر رہے ہیں۔ اس تحریر کو دیکھتے ہی تم کو فدیہ کی جانب روانہ ہو جاؤ اور جس طرح ممکن ہو مسلم پر قابو پا کے اُن کو سزا دو۔ (طبری ج ۶ ص ۱۹۹۔ ۲۰۰)

گو ناگوں واقعات کے بعد فرزند رسول دوسری محرم ۱۱ھ کو اپنی آخری منزل پر پہنچے اور ابن زیاد کی جانب سے عمر سعد حضرت کے قتل پر مامور ہو کر کھلا آیا اور جگر گوشہ رسول کا خون آشام دشمنوں نے محاصرہ کر لیا۔ عمر سعد کے ابتدائی واقعات واقعات کے مطالعہ سے صاف نظر آتا ہے کہ اس عظیم جرم کے ارتکاب میں ہر موقع پر اُس کا نیرِ سختی کے ساتھ ٹوک رہا تھا اور آواز دیتا تھا کہ ظالم کیا کر رہا ہے، جسکو شکر وہ ایک مرتبہ ٹھٹک جاتا تھا۔ لیکن طمع دنیا پھر غلبہ حاصل کر کے اُس کا قدم آگے بڑھا دیتی تھی، وہ ایسے مواقع ڈھونڈتا تھا کہ کسی طرح وہ اپنے دنیاوی مقصد کی حفاظت کرتے ہوئے اس جرم کے ارتکاب سے محفوظ رہے اسی بنا پر کہ لاہونچنے کے بعد اُس نے امام حسین علیہ السلام سے سلسلہ مراسلت و مکالمہ جاری کیا اور ابن زیاد کو

لکھا کہ میں نے حسین سے بات چیت کر کے اُن کا منشا معلوم کیا تو مضمون نے کہا کہ مجھ کو اہل کوثر نے دعوت دی تھی اسلئے میں یہاں آیا، اب اگر وہ لوگ اپنی بات پر قائم نہیں ہیں تو میں جان سے آیا ہوں وہیں واپس جاتا ہوں۔

اس خط کا جو جواب ابن زیاد نے دیا وہ یہ ہو۔

(اما بعد فقد بلغنی کما بک وفہمت ما ذکرک فاعرض علی الحسین ان یباع لیزید بن معاویۃ ہو وجمیع اصحابہ فاذا فعل ذلک سرأینا السلام)

یعنی "خط پہنچا اور حال معلوم ہوا تم حسین سے یہ مطالبہ کرو کہ وہ اپنے تمام اصحاب سمیت یزید بن معاویہ کی بیعت کر لیں، اسکے بعد ہم صورت حال پر غور کریں گے۔" عمر بن سعد حسین کے استقلال اور ثبات قدم سے خوب واقف تھا اور جانتا تھا کہ جو کچھ بھی ہو جائے وہ یزید ایسے شرابخوار و فاسق کی بیعت نہ کریں گے جس کی بنا پر اُس نے خط کے بڑھتے ہی کہا قد حسب ان لا یقبل ابن زیاد العافیتہ اب میں سمجھا کہ ابن زیاد کوئی سمجھوتہ نہیں چاہتا (طبری ج ۶ ص ۲۳۴)

عمر سعد کا خیال صحیح تھا حسین ایسے کمزور متلون مزاج غیر ثابت قدم نہ تھے کہ کسی بڑے خطرہ سے سہم کر اپنے اصول سے ہٹ جائیں۔ انھوں نے جو کہا تھا وہی کیا، دینے دیکھ لیا کہ معائب کے ہمت شکن پہاڑ اُنکے ثبات قدم اور کوہ گران استقلال کے سامنے سبک نظر آ رہے تھے۔ انھوں نے یزید کی بیعت نہ کی جس کا

نتیجہ یہ ہوا کہ دسویں محرم کی عصر کو زمین کر بلا نبی فاطمہ کے خون سے رنگین تھی اور
شہدائے حق کے بے سر لاشے زمین و آسمان سے اٹکی جا نبازی کا ریشہ بڑھوا
رہے تھے۔

————— ❦ —————

ابتداء انتہا وسط کے واقعات کو تاریخ کے طول طویل اوراق میں سے
منتخب کر کے حسب موقع ترتیب کے ساتھ پیش کر دیا گیا ہے اور اس سے صاف
ظاہر ہے کہ۔

(۱) حسین بن علیؑ کا مدینہ سے ہجرت کرنا کس سبب سے تھا؟
(۲) کوفہ میں عبید اللہ بن زیاد کی حکومت کس غرض کے لئے تھی؟
(۳) حسین بن علیؑ سے ابن زیاد کے خط کی بنا پر آخری مطالبہ کیا تھا جسکے
بے منظور کرنے کا نتیجہ قتل حسینؑ کی صورت میں ظاہر ہوا؟
جواب ظاہر ہے کہ یزید کی خلافت اور اس کے تسلیم کرنے کا مطالبہ یہی وہ
تھا جو قتل حسینؑ کا سبب تھا اور اسی مطالبہ کا منظور نہ کرنا اس عظیم شہادت کا
باعث ہوا۔

یزید نے بھی خود اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ اس وقت جب مخدرات
خاندان رسالت امام زین العابدینؑ کے ساتھ یزید کے دربار میں لائی گئیں یزید
نے امام زین العابدینؑ سے مخاطب ہو کر کہا۔

یا علی ابوک الذی قطع رحمی وجعل حقّی ونازعنی ساطعانی
فصنع اللہ بہ ما قد رأیت۔

نئے علی بن حسین تمھارے باپ نے میری قربت داری کا لحاظ اور میرے
حق کا پاس نہ کیا اور میری حکومت سے اختلاف کیا جس کا نتیجہ تم دیکھ رہے ہو
(طبری ص ۲۶۵)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ قتل حسین کا سبب زید کی خلافت سے اختلاف تھا
اور یہی وہ بنیاد تھی جسکی بنیاد پر تاتان حسین نے اس عظیم قتل کا ارتکاب کیا۔

اب بھی دوسری صحیح صحیح کہ زید کی خلافت کس فرقہ کے مذہبی تعلیمات
کی رو سے صحیح اور اسکی حمایت حق بجانب ہو سکتی ہے؟

یہ امر کچھ زیادہ توضیح کا محتاج نہیں کہ شیعوں کے مذہبی اصول میں زید علیہ السلام
اُس سے بڑے چڑھے افراد کی خلافت کو کوئی جگہ حاصل نہیں ہے، اُنھوں نے تو
سے سے اُس سلسلہ ہی سے اظہارِ برأت کیا ہے جسکی پانچویں یا چھٹی کڑی میں
زید کی امامت خلافت کو تسلیم کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

رہ گئے اہل سنت مجھ کو اُنکے مذہب پر حکم لگانے کا کوئی حق نہیں ہے لیکن
امام الحسن علیہ السلام حافظ شام جلال الدین سیوطی جو علمائے اسلام میں ایک نمایاں فرد
اور ذمہ دار شخص کہے جاسکتے ہیں۔ اُنھوں نے اپنی تاریخِ اُخلفاء میں اس مطلب کو
بالکل صاف کر دیا ہے جس کے بعد شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

پہلے وہ کتاب کے دریا چرمین نسب الیف لکھے ہوئے رقمطراز ہیں
 هذا تاريخ لطيف ترجمت فيه الخلفاء امراء المومنين
 القائمين بامر الامّة من عهد ابى بكر الصديق رضى الله عنه
 الى عهدنا هذا اعنى ترتيب زماهم۔

اس پر لطف تاریخ میں میں نے حالات لکھے ہیں خلفاء کے جو امیر المومنین
 تھے اور امت اسلامیہ کی ریاست کے مالک تھے ابو بکر صدیقؓ کے عہد سے لے کر
 اپنے عہد تک اُنکے زمانہ خلافت کی ترتیب کے مطابق :-

انہی الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ جن اشخاص کے حالات لکھنا چاہتے ہیں اُنہیں
 سے ہر ایک کو امیر المومنین کہنے کے لئے طیار ہیں اور انکی خلافت اُنکے تردیک صحیح
 و مسلم تھی لیکن اسکے بعد نقطہ نظر پر پوری روشنی پڑتی ہے جبکہ وہ مصر کے خلفاء نبی
 فاطمہ کے حالات کو اس کتاب میں ترک کرنے کی وجہ بیان کرتے ہیں ۔

ثم اور داحا، امن الخلفاء العبيد بين لان امامتهم غير
 صحيحة لا مور۔

میں نے اس کتاب میں خلفاء و عبید میں سے کسی کا تذکرہ نہیں کیا ہو اسلئے
 کہ اُن کی امامت و خلافت متعدد وجوہ سے صحیح نہ تھی، پہلے یہ کہ وہ قرشی نہ تھے
 اور نہ اداق عوام فاطمی انسل سمجھنے لگے در نہ حقیقتہ اُن کا مورث اعلیٰ ایک
 مجوسی شخص تھا۔

رافسوس ہجوکار تاریخ نے اُن ریشہ دوانیوں کو جو خلیفہ عباسی کی طرف سے
سلاطین بنی فاطمہ کے خلاف اُن کے نسب میں قبیح کے متعلق کی گئی تھیں اور جن
صورتوں سے مجبور تہر اُس محض رہ و مخط لے گئے تھے چارے سالہ پیش کر کے علامہ
سیوطی کے اس عذر کو غیر وقیع بنا دیا ہے

دوسرے یہ کہ اکثر ان میں سے بد عقیدہ کفر و زندقہ کی طرف مائل اور اسلام سے
خارج تھے اور ان میں سے بعض نے انبیاء کی شان میں گستاخانہ کین اور بعض
نے شراب کو مباح سمجھا اور بعض نے خود اپنے لئے سجدہ کا حکم دیا اور جو اُن میں
ابن تامیم عیوب سے پاک ڈھونڈھا جائے اُس میں بھی یہ ضرور ہے کہ وہ کٹر اہل
ہے کہ جو سب صحابہ کا حکم دیتا ہے۔

ومثل هؤلاء لا تغفلد لهم بیعة ولا تصح لهم امامة
اور جو ایسے اشخاص ہوں اُن کی بیعت درست نہیں ہو سکتی اور نہ امامت
اُن کی صحیح ہے۔

میں حافظ سیوطی سے محاسبہ نہیں کرنا چاہتا، نہ اس کی تحقیق کر دے گا کہ
نہ ذکرہ بالا الزامات صحیح ہیں یا نہیں، نہ یہ دریافت کروں گا کہ کیا خلفائے بنی امیہ
و عباسیہ میں ایسے افراد نہ تھے جن سے کفر و زندقہ کا ظہور ہوا اور جو شراب اور لواط
ایسے معاصی کو جائز سمجھے اور نہ اس سوال کی زحمت دوں گا کہ کیا اُن میں سب صحابہ
کی نظیر بن نہیں بائی جاتیں۔ اسلئے کہ میں اگر ایسا کروں تو مناظرہ کے ایک وسیع

وادی میں میرا قدم پڑ جائیگا اور میں نے مناظرہ کے لئے قلم نہیں اٹھایا ہو میں تو صرف ایک واقعہ نگار کی حیثیت لئے تاریخی حقائق کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔

حافظ سید علی کی اس معذرت میں یہ امر بالکل صاف ہو گیا کہ کتاب میں جن اشخاص کا تذکرہ ہے وہ ایسے ہی ہیں جن کی بیعت قواعد کے مطابق اور حلی اہمیت و خلافت صحیح و جائز طور پر ثابت ہو چکی ہے۔

اس کے بعد جب ہم اسی تاریخ خلفاء کی سیر کرتے ہوئے صفحہ ۲۵ پر پہنچتے ہیں تو حلی حروف میں یہ سرخی نظر آتی ہے "یزید بن معاویہ ابو خالد الاموی جس کے ذیل میں مستقل طور پر یزید کے حالات درج کئے گئے ہیں۔ اس کو صاف ظاہر ہے کہ یزید کی بیعت صحیح و درست اور امامت و خلافت اسکی جائز اور قابل تسلیم اور صفحہ ۱۹ میں جناب رسالہ آپ کی حدیث لا ینال هذا الدین قائمہ احتیٰ لیکن علیہم اثمنا عشر خلیفۃ کی تشریح میں خلفاء کی فہرست لکھتے ہوئے جو اس درج کئے ہیں وہ بھی یوں ہیں۔

ان الناس اجتمعوا علی ابی بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی الی ان وقع امر الحکمین فی صفین فتسبی معاویۃ یومئذ بالخلافۃ ثم اجتمع الناس علی معاویۃ عند صلح الحسن ثم اجتمعوا علی ولده یزید ولم ینتظم للحسین امر بل قتل قبل ذلک۔

خلافت کی ترتیب یوں ہو کہ لوگوں نے ابوبکر پر اجماع کیا اور وہ پہلے خلیفہ

ہوئے) پھر عمرؓ پھر عثمانؓ پھر علیؓ پہاٹک کر تحکیم کا مسئلہ پیش کیا، اسوقت معاویہ نے خلافت کا ادعا کر لیا لیکن لوگوں کا اجماع اُنکی خلافت پر حسن کی صلح کے موقع پر ہوا اور اسکے بعد یزید کی خلافت پر اجماع ہوا حسین کے لئے امامت حاصل نہ ہو سکی بلکہ وہ اسکے قبل ہی قتل ہوئے لہذا انھیں خلفاء میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی کا قول بھی مفسر صحیح بخاری میں حدیث مذکور کی شرح میں یوں ہے۔ اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ یزید کی خلافت صحیح و جائز اور حق بجانب تھی اور ان دونوں دہ دارِ حفاظ و امانِ اہلسنت کی تحریر کے بعد اس میں شک و شبہ کی گنجائش آتی نہیں رہتی اور اسی یزید کی خلافت تسلیم کرانے کے لئے حسینؓ بن علیؓ قتل کئے گئے جس کے بعد قدرتی نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ لوگ اس مذہب کے نام پر اچھے میں یزید کی خلافت صحیح و جائز ہے اور اُن کو شیعہ فرقہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔

قاتلانِ حسینؓ کی مذہب تاریخی شواہدِ نفوس

تاریخی اوراق اُن نفوس و شواہد سے چمکاتے ہیں جسے قاتلانِ امام حسینؓ کا مذہب پہچان دے، مگر سامنے آجاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُس اجماع سے غلط و نہ تھے جو کثرت کی صورت میں ہمیشہ سے سادہ اعظم کا مصداق بنا رہا ہے تفصیل کے لئے ایک طویل وقت و فرصت کی ضرورت ہے، لیکن بغیر کچھ مخصوص تین اور کچھ

جو شواہد پیش نظر ہیں انہی کو قلم برداشتہ فہرست کے طور پر درج کر دینا کافی معلوم ہوگا۔

(۱)

وہ وقت کہ جب مسلم بن عقیل کو ذہین اگر فرزند رسول کی بیعت لے رہے ہیں
بنی امیہ کے مظالم سے گھبرائی ہوئی خلقت اس موقع کو غنیمت جان کر ٹوٹ پڑی ہوا اور
نعمان بن بشیر جو کوذہ کا حاکم ہے اپنی فطری صلح پسندی کے باعث طرح دے رہا ہے
عین اسی موقع پر ایک خط جاتا ہے کوذہ سے یزید کے پاس جس کی عبارت یہ ہے۔

اما بعد فان مسلم بن عقیل قد قدم الکووفۃ فبايعت ما لتيعة
للحين بن علي فان كان لك بالكووفۃ حاجة فابحث اليها رجلا قويا
ينفذ امرك ويعمل مثل عملك في عدوك فان النعمان بن بشير
رجل ضعيف او هو يتضعف؟

مسلم بن عقیل کوذہ آئے ہیں اور شیعوں نے اُنکے ہاتھ پر حسین بن علی
کی بیعت کی ہے۔ اگر آپ کو ذہین اپنی سلطنت قائم رکھنا ہے تو ایک طاقت دار
شخص کو یہاں مقرر کیجئے جو آپ کے حکم کو نافذ کرے اور دشمن کے ساتھ وہ سلوک
کرے جو آپ خود اگر ہوتے تو کرتے اسلئے کہ نعمان بن بشیر (جو کوذہ کا حاکم ہے) وہ فطرۃ
مکروں ہی انہی وجہ سے کمزوری کر رہا ہے؟

اس مضمون کے لکھنے والے تین آدمی ہیں (۱) عبداللہ بن مسلم بن سعید

حضری حلیف بنی امیہ (۲) عمارۃ بن عقبہ ۳۱ عمر بن سعد بن ابی وقاص یزید نے اس خط کو دیکھ کر ان واقعات کے بعد جو سابق میں نظر سے گذر چکے ہیں جو فران ابن زیاد کے نام لکھا اسکی عبارت قابل دید ہے۔

اما بعد فانہ کتب الی شیعۃ من اهل الکوفۃ یخبرونی ان ابن عقیل بالکوفۃ یجمع الجموع لشیعۃ المسلمین فہرہم یقرؤ الخ۔

میرے پاس میرے شیعوں نے جو کوذ کے رہنے والے ہیں یہ لکھا ہے کہ ابن عقیل کوفہ میں جمع کر کے مسلمانوں کی موجودہ بنیائوں کو بگاڑنا چاہتے ہیں لہذا تم فوراً ان جاؤ اور مسلم پر قابو چل کر کے سزا دو (طبری ج ۶ ص ۱۹۹۔ ۲۰۰)

محترم ناظرین! پہچان تو لیا ہو گا یہ عمر بن سعد کون ہے جو اس خط کے لکھنے والوں میں ہے؟ بیشک یہ وہی سپہ سالار ہی جو حسین بن علیؑ کے قتل کے لئے بھیجا گیا تھا جس نے سب پہلا تیرکرا حسینؑ کی طرف رکھ دیا تھا (طبری ج ۶ ص ۲۰۵)۔

اسکی پیغمبر کے بائعتہ الشیعۃ للحسین بن علیؑ شیعہ جماعت نے مسلم کے ہاتھ پر حسینؑ کی بیعت کر لی ہے۔ صاف بتلاتی ہیں کہ اس شخص کو جماعت شیعہ سے کوئی تعلق نہ تھا اور پھر یزید کی یہ تحریر کہ کتب الی شیعۃ من اهل الکوفۃ مجھ کو میرے شیعوں نے کوذ سے لکھا ہے۔ بتلا رہی ہیں کہ شخص یزید کا شیعوں کی مخالفت کو تسلیم کرنے والی جماعت سے تھا، اب اس کا فیصلہ ہمارے مفسرین کی گذشتہ تفسیر دیکھ چکے والے ناظرین کو اچھا ہے کہ اس کا تعلق کس فرقہ کے ساتھ ہو سکتا ہے؟

(۲)

حسین بن علی کہ منظر سے روانہ ہو کر کوفہ کے قریب پہنچ چکے ہیں اور
 حصین بن تمیم کے حکم سے جو قادیسیہ میں ناکہ بندی کے لئے مقرر تھا حر بن زید
 رباحی ایک ہزار کی فوج کے ساتھ سدراہ ہونے کے لئے آگیا ہے اور حضرت
 کے ساتھ ساتھ ہو کر حضرت کو مدینہ رسول واپس نہ جانے دے اور چلتے چلتے قافلہ
 نینوا پہنچا اسی وقت ایک مسلح اقدسوار کوفہ کی طرف سے آتا ہوا دکھائی دیا جس کا
 وہ دونوں طرف کے لوگ سمجھتی سے انتظار کرنے لگے۔ جب وہ قریب پہنچا تو اس نے
 حر اور اصحاب حر کو سلام کیا لیکن حسین بن علی اور ان کے اصحاب کو سلام نہیں کیا
 وہ ابن زیاد کا خط لایا تھا حر کے ام جس میں لکھا تھا کہ "میرا خط پہنچتے ہی حسین کے
 ساتھ سختی شروع کر دینا اور ان کو ایسی جگہ اتارنے دینا جہاں ان کے لئے کوئی محفوظ
 جگہ نہ ہو اور نہ پانی ہی نزدیک موجود ہو۔"

امام حسین کے ساتھیوں میں سے زید بن زیاد بن ہاشم ابو الشعثاء کسندی
 نے خط لانے والے کو پہچانا اور پکار کر کہا کہ
 "کیا مالک بن انسیر ہی ہے؟"

اس نے کہا "ہاں میں وہ ہی ہوں" ابو الشعثاء نے کہا نکلتا نکلتا امک
 ماذا جئت فیہ "خدا تجھے غارت کرے۔ یہ تو کس کام کے لئے آیا ہے؟"

اُس نے جواب دیا و ما بئنت فیہ اطاعت امامی و وفیت بیدعتی میں
اور کس کام کو آیا ہوں؟ میں نے اپنے امام کی اطاعت کی اور بیعت کو پورا کیا۔
ابو الشعامہ نے کہا کہ

عصیت ربک و اطاعت امامک فی ہلاک نسلک کسبت
العار و النار قال اللہ عز وجل وجعلنا منھما ممتۃ یدعون الی النار
و یوم النقا مۃ لا ینصرون فھو امامک۔

تو نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور اپنے امام کی اطاعت کر کے اپنی ہلاکت
کا سہارا بن لیا، تو نے دنیا کی فطیحت اور عذاب آخرت دونوں کو مول لے لیا بلکہ
حقانی کا ارشاد دہو کہ ایسے امام بھی ہیں جو لوگوں کو آتش جہنم کی طرف دعوت دیتے
ہیں اور روز قیامت اُن کا کوئی مددگار نہ ہوگا، ان معنوں سے بے شک وہ تیرا
امام ہے (طبری ج ۶ ص ۲۳۱)

یہ مالک بن نسیر کون ہے؟ یہ وہی ہے کہ روز عاشور حب فرزند رسول زخمیوں
سے جو رہ کر زمین پر تشریف لے چکے تھے تو وہ شقی آیا اور حضرت کے سرِ قدس پر تلواریں
لگائی جو عامہ کو کاٹ کر سرین اتری اور تمام عامہ خون سے تر ہو گیا، طبری میں اس
واقعہ کا تذکرہ حسب ذیل عبارت میں ہے۔

«ملکت الحسین طویلا من النصار کلما انتھی الیہ رجل من
الناس انصرف عنہ و کوہ ان یتولی قتله و عظیم اثم علیہ قال

وان رجلا من کندة يقال له مالك بن النسيك من بني بداء اناه
 فخر به على راسه بالسيف وعليه برنس له فقطع البرنس و اصاب
 السيف راسه فادعى راسه فامتد البرنس و ما فقال له الحسين
 لا اكلت بها ولا شربت و حشرک الله مع الظالمين (رج ۶ ص ۲۵۴)

۲ اس کا یہ کہنا کہ اطعت امامی و وفیت بیعتی صاف بتلاتا ہے کہ وہ
 نیرید کو امام وقت سمجھتے ہوئے اسکی بیعت کا پابند تھا اور یہ شیخ مذہب سے اسکی
 بے تعلقی اور دوسری جماعت سے وابستگی کی بہترین دلائل ہیں۔

۳ اس کے مقابل میں ابراہیم الشافعی کا یہ جواب کہ وہ ان ائمہ میں سے ہے جو باہتم
 کی طرف دعوت دیتے ہیں عقیدہ تشیع کا برا نظاہر ہے اور اس مقابلہ سے
 ظاہر ہے کہ کون جماعت کس فرقہ سے تعلق رکھتی تھی؟

(۳)

فرزند رسول کر بلا میں پہنچے اور دشمنوں نے محاصرہ کر لیا، ساتویں تاریخ
 قاصد آتا ہے اور ابن زیاد کی طرف سے عمر سعد کو یہ خط دیتا ہے۔

اما بعد فحل بین الحسین واصحابہ و بین الماء ولا ید و قوا
 منه قطرة كما صنع بالقی الزکی المظلوم امیر المومنین عثمان بن عفان
 حسین اور اصحاب میں کے سامنے اپنی کی طرف سداہ ہرجاؤ اور انکو

ایک قطرہ چکھنے کو بھی ملنے نہ پائے جیسا کہ تقی زکی مظلوم امیر المومنین عثمان بن عفان کے ساتھ سلوک کیا گیا تھا (طبری ج ۲ ص ۲۳۷)

ابو حنیفہ احمد بن داؤد دینوری متوفی ۳۸۱ھ نے بھی اپنی کتاب (الاخبار الطوال) طبع مصر ۲۵۲ھ میں اس خط کو حسب ذیل لفظوں میں نقل کیا ہے۔

”امنع الحسين واصحابه الماء فلا يذوقوا منه حسوة كما فعلوا بالتقى عثمان بن عفان“

کہاں ہیں قاتلان حسینؑ کو شیعہ کہنے والے آئین اور آنکھیں کھول کر اپنے امام اور حافظ محمد بن جریر طبری کی تحریر پر نظر ڈالیں اور پھر بتلائیں کہ قاتلان حسینؑ کا نہرب کیا تھا؟ حضرت عثمانؓ کی مظلومیت کا مرنیہ خوان کون ہو سکتا ہے؟ حضرت عثمانؓ کو امیر المومنین کون کہتا ہے؟ حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلا لینے کا حق کس کو پہنچتا ہے؟

اگر شیعہ انہی عقائد کے رکھنے والوں کا نام ہے جیسا کہ علامہ ابن حجر مکی نے تمام ان احادیث کو جن میں شیعوں کی مدح ہے اپنی جماعت پر چپان کرنے کی فکر کی ہے (دیکھو صواعق محرقة طبع مصر ۹۵ و ۹۶) تو ہمیں بھی کیونہیں عذر نہیں کہ قاتلان امام حسین علیہ السلام شیعہ تھے۔

(۴)

زمین محرم کی شام اور عصر سعد کا اپنے لشکر کو حکم دینا کہ فوج حسینی پر حملہ کر دو اور
 سید الشہداء کا حضرت عباس کو حکم دینا کہ وہ فوج کے سامنے جا کر ان کا مقصد معلوم
 کریں اور وہ وقت تھا کہ حضرت عباس میں سواروں کی جمعیت میں دشمن کے ٹہری
 دل لشکر کے سامنے گئے اور دریافت کیا کہ یہ بے وقت کی پیش قدمی کیسی؟ جواب ملا
 ”امیر کا حکم ہے کہ یا تم لوگ اطاعت قبول کرو اور یا فیصلہ کن جنگ ہو جائے“ جناب
 عباس یہ کہہ کر کہ میں امام حسینؑ سے جا کر عرض کرتا ہوں۔ وہاں سے ہٹے اور وہ جمعیت
 کہ جو آپ کے ساتھ تھی وہیں کھڑی رہی حبیب بن مظاہر نے اس موقع کو غنیمت جانا
 اور جا کر فریق مقابل کے سامنے تبلیغ و موعظہ کے فرض کو انجام دین اور یوں تقریر فرمائی کہ
 ”یاد رہے خدا کی قسم بدترین قوم وہ ہوگی جو روز قیامت خدا کا سامنا کرے گی۔
 اس حالت میں کہ اس نے نبی کی ذریت کو قتل کیا ہوگا اور ان کی عزت کا خون
 بہایا ہوگا اور ان کے ساتھ ان عابد و زاہد خدا کے بندوں کو جو کچھ پہر جہاد خدا
 کرتے اور جن کی زبانیں ذکر الہی کے ساتھ متحرک رہتی ہیں بے گناہ قتل کیا ہوگا۔“
 عذرة بن قیس اسی جو فوج مخالف میں تھا اس نے مذاق کے طور پر کہا
 ”حبیب جان تک ہوتا ہے تم اپنی تعریف ضرور کرتے ہو کہ میں بڑا عا بہ
 و متعبد گزار ہوں۔“

زہیر بن قیس نے بکا کر کہا "عزرو اس میں حسد بے کار کا ہے، خدا ہی نے
 ان کے نفوس کو آراستہ کیا ہے اور اسکو راہ راست کی طرف ہدایت کی ہے۔
 عزرو میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ خدا سے خوف کرو اور خدا کا واسطہ تم
 اس جماعت میں نہ رہو کہ جو گمراہ ہو کر بے گناہ نفوس کے قتل کا ارتکاب کر رہی ہے
 عزرو بن قیس یہ شکر زہیر کی طرف فرمایا اور کہا۔
 یا زہیر ما كنت عندنا من شيعة اهل هذا البيت اما
 كنت عثمانيا۔

"اے زہیر تم ہو۔ تم تو ہمارے دوست میں اس خاندان کے شیعوں میں
 سے نہ تھے بلکہ عثمانی مذہب رکھتے تھے؟
 زہیر نے کہا۔

افلا تستدل بموقفى هذا الى منهم الخ
 "اچھا اب تو میرے یہاں ہونے سے تم مجھے کہ میں شیعیان اہلبیت میں سے
 ہوں یا درکھو کہ میں نے امام حسین کو نہ کبھی کوئی خط بھیجا تھا نہ کوئی قاصد روانہ کیا
 تھا اور نہ کبھی نصرت کا وعدہ کیا تھا لیکن رستہ میں اتفاق سے مجھ سے ان سولہ لاکا
 ہو گئی اسوقت مجھے رسالت کا اور اس تعلق کا جو ان کو حضرت رسول سے ہے
 خیال آگیا اور مجھ کو معلوم ہوا کہ وہ اپنی دشمن جماعت یعنی تمہارے گروہ کی طرف جا رہے
 ہیں اسوقت میں نے دل پر عثمانی کی کہ انکی ہد کروں اور انکے انصار میں داخل ہو کر

اپنی جان کو اُن پر سے فدا کر دینا خدا و رسول کے اُن حقوق کی گنہداشت کے لئے
جنہیں تم نے صنایع و برباد کر دیا ہے (طبری ج ۶ ص ۲۳)

"تم تو شیعہ جماعت سے نہ تھے بلکہ عثمان کے امانے والوں میں سے تھے؟
صریحی دلیل ہو کہ یہ طے شدہ امر تھا کہ اس وقت جو حسینؑ کا ساتھ دے وہ شیعہ
جماعت سے ہو اور وہ لوگ جو ان کے مقابل میں تواریس کھینچے ہوئے ہیں عثمانی
المسلک اور مخالف تشیع ہیں اور زہیر کا یہ مقولہ کہ "ابو میرے یہاں ہونے سے
سمجھئے کہ میں شیعہ اہل بیت ہوں" وہ بھی اس کا زبردست مؤید ہے۔

(۵)

روز عاشور جبکہ جنگ چھڑ چکی ہے اور انصاف حضرت سید الشہداء کی ایک کافی
قد اذ قتل ہو چکی ہے اُس وقت زید بن مقل قبیلہ بنی عمیرہ بن ربیعہ میں سے لشکر
عمر سعد کی صف سے باہر نکلتا ہے اور بریر بن خضیر کو آواز دیکر کہتا ہے۔

کیف تری اللہ صنع بك ویکفے ہو خدا نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا
یہ سکر بریر نے جو اصحاب حضرت سے تھے جواب دیا صنع اللہ واللہ بخیر
و صنع اللہ بك شوا میرے ساتھ تو خدا نے اچھا ہی اچھا سلوک کیا، بے شک
تیری بڑی بری درگت لگائی؟
زید نے کہا۔

کذبت وقیل الیوم ما کنت کذا باہل تذکروانا اما شبک
فی نبی لوزان وانت تقول ان عثمان بن عفان کان علی نفسہ مسوقا
وان معاویۃ بن ابی سفیان ضال مضل وان امام الہدی
والحق علی بن ابی طالب۔

”تم تو جھوٹ کہہ رہے ہو اگرچہ اسکے قبل تم بھی جھوٹ بولتے نہ تھے، اچھا تمہیں
یاد ہے جب میں تمہارے ساتھ بنی لوزان کی جماعت میں جا رہا تھا اور اسوقت
تم حضرت عثمان کے متعلق کہہ رہے تھے کہ (معاذ اللہ) وہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے
یعنی مصیبت کا شخص تھے اور معاویہ بن ابی سفیان گمراہ اور دوسروں کو گمراہ
کر رہا ہے اور سچے امام اور رہنما اگر ہیں تو وہ صرف علی بن ابیطالبؑ۔“

بریرؓ نے کہا ”بیشک میرا مذہب یہی تھا اور اب بھی میں اپنی بات پر قائم ہوں۔“
یزید بن مقلؓ ”فانی استھد انک من الضالین میں تو گواہی دیتا ہوں کہ تم گمراہ
بریرؓ اچھا تو یہ تدبیر نہ کرو کہ ہم اور تم مباہلہ کریں اور خدا سے دعا کریں کہ وہ کاذب
پر لعنت کرے اور جو باطل پر ہو وہ دوسرے کے ہاتھ سے قتل ہو پھر اس کے بعد میں
بکل کرتے سے جنگ کروں۔“

یزید۔ اچھا یونہی ہی۔

مباہلہ ہوا اور دونوں نے دعا کی کہ ہر آپس کو حق پر ہو وہ دوسرے کو قتل کرنے
میں کامیاب ہو اس کے بعد آپس میں تلوار چلنے لگی۔ یزید نے ایک وار بریرؓ پر کیا جو

اوجھاڑا اور کوئی صدمہ بریر کو نہ پہونچا، بریر کی جو باری آئی تو ایک تلوار سیلی لگائی
جو منفرد کا شتی جوئی کا سہ سر میں پہونچی اور وہ گھوڑے سے گر اس طرح کہ تلوار
بریر کی اس کے سر میں قائم تھی اور بریر نے اطمینان کے ساتھ تلوار کو اس کے سر سے
کھینچا (طبری ج ۹ ص ۲۴۷)

اب تو معلوم ہوا کہ انصار حضرت سید الشہداء کا مذہب کیا تھا اور مخالف جماعت
کس فرقہ سے تعلق رکھتی تھی؟

مجھ کو یہ دیکھ کر سرت محسوس ہو رہی ہے کہ میں جو کچھ لکھ رہا ہوں وہ اپنی زبان
سے نہیں اور نہ اپنا طبع اور بلکہ وہ ایک مسلم امام فقیہ اور حافظ اہلسنت کی تاریخی
شہادت ہو جسکے دیکھنے کے لئے دیدہٴ مینا کی ضرورت ہے۔

مباہلہ کا نتیجہ تاریخ کے اندر غیر مبہم لفظوں میں سامنے موجود ہے اور جس با
بر مباہلہ ہوا تھا وہ بھی بغیر کسی گنجشک کے پیش نظر ہے، اس سے حق و باطل کا
نقشہ بھی بغیر کسی حجاب کے سامنے آ جاتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ حق کس طرف
تھا اور وہ کیوں ظاہر ہوا۔

(۶)

بریر (طبر) کو قتل ہو گئے اور ان کا قاتل کعب بن جابر بن عمرو از دی فتح و ظفر
کی ستر اور جائزہ و انعام کے خوشگوار توقعات کے ساتھ واقعہ کر بلا کے بعد اپنے گھر

کو فدا پس گیا، لیکن اسکی بیوی یاہن فوار بنت جابر نے کہا "تو نے فرزند فاطمہ زہرا کے قتل میں شرکت کی اور سید القراءہ ابریرا کو اپنے ہاتھ سے قتل کر کے براغضب کیا اب میں تجھ سے کبھی بات نہ کروں گی۔"

اس موقع پر کعب بن جابر نے جو اشعار نظم کئے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔
 سلی تغیری عنی وانت ذمیتہ غداۃ حسین والرحاح شوارع
 لوگون سے دریافت کر تجھے معلوم ہوگا میرا مال حسین کے لئے دن جبکہ میرے جنگ کے لئے سیدہ ہو چکے تھے۔

المات اقصیٰ ما کرہت ولم یصل علی غداۃ الروعہ ما انا صانع
 کیا میں نے بہترین طریقہ پر انجام نہیں دیا اُس امر کو جس کا تجھ کو صدمہ ہے اور عالم جنگ میں اُس کا رنایا ان کے انجام دینے میں مجھ سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی
 معی یزنی لم یخفہ کعبہ واسبق یحشرہ القراءین قاطع
 میرے پاس کیا نیزہ تھا جس نے میدان جنگ میں دشمنین کی اور زلوار تھی کہ جس کی دھارتیر اور کاٹ دار تھی۔

فجر دتہ فی عصبۃ لیس ذنہم بدینی وانی با بن حرب لقالع
 میں نے اُس تلوار کو کھینچ لیا ایسی جماعت کے قتل کے لئے کہ جن کا مذہب میرے مذہب سے جداگانہ ہے اور میرا دار و مدار تو ابوسفیان کی اولاد پر ہے۔

ولم تر عینی مثلہم فی زمانہم ولا قہلہم فی الناس اذا انا یافع

اس میں شک نہیں کہ میری آنکھ نے اُن لوگوں کے ایسے لوگ نہ دیکھے تھے نہ اُن کے زمانہ میں اور نہ اُنکے پہلے اس وقت کہ جب میری نوجوانی تھی۔

استد قراعا بالیون لدی الوغا الاکل من یحیی الذ مار مقارع
جو تمام دنیا سے زیادہ جنگ کے موقع پخت شمشیر زنی کرنے والے ہوں اور
بیشک جو اپنی ذمہ داری کی حفاظت کرنے والا ہوگا وہ اسی طرح شمشیر زنی کریگا۔

وقد صبروا للطعن والضرب ہوا وقد نازلوا وان ذلک نافع
وہ نیزہ و شمشیر کھانے کے لئے زمین اتار اتار کر مقابلہ پر کھڑے رہے اور جنگ
بھی خوب کی لیکن (قلت لقد اور دشمن کی قوت کے سبب سے) اُن کو جنگ سے
فائدہ کب پہنچ سکتا تھا۔

فابلغ عبید اللہ امالقیۃ بانی مطیع للخلیفۃ سامع
کوئی میرا پیغام ابن زیاد سے ملکر پہنچا دے کہ میں بجان و دل خلیفہ وقت کا مطیع
و تابع فرمان ہوں (طبری ج ۶ ص ۲۴۸ - ۲۴۹)

"لیس دینہم بدینی" کا فقرہ بتلا رہا ہے کہ اس کا مذہب انصارِ امام حسینؑ
کے مذہب سے خلاف ہو اور انصارِ امام حسینؑ کے مذہب کی تصویر اُس عقیدہ میں صاف
منظر آ رہی ہے جس کا مبالغہ کے موقع پر بریر نے اعلان کر دیا۔ اگر سوادِ اعظمِ اسلام
اسی عقیدہ کا معتقد ہے کہ جس کا بریر نے اظہار کیا تو یہی سہی اور اگر وہ اُس عقیدہ
کے خلاف ہو تو پھر قاتلانِ امام حسینؑ کا مذہب بھی معلوم۔

(۷)

اب صحابہ امام حسینؑ میں سے نافع بن ہلال حبلی جنگ کے لئے بکھے اور وہ
یوں رجز پڑھ رہے تھے۔

(انا الجملی انا علی دین علی)

"میں قبیلہ نبی حبلی میں سے اور علی کے مذہب پر ہوں۔"
ایک شخص مقلد پر کلکلا جس کا نام مزاحم بن حریش تھا اس نے کہا انا
علی دین عثمان "میں تو عثمان کے مذہب پر ہوں۔"
نافع نے کہا "انت علی دین شیطان" یہ کہہ کر حملہ کیا اور اسے
قتل کر ڈالا (طبری ص ۲۴۹)

اے لیجے! اترو تاج نے کوئی قسمہ باقی نہیں رکھا، طرفین کے مذہب کو اتنی
روشنی کے ساتھ پیش کر دیا ہے کہ شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

(۸)

عین موقع جنگ پر لشکر عمر سعدؑ میں عمرو بن السجاج نے کھڑے ہو کر ادا کیا
یا اهل الکوفة الزموا طاعتکم وجبا عتکم ولا تروا بوا فی قتل من
مروق من الدین وخالف الامام۔

اے اہل کفر و امیر کی اطاعت اور اپنی حقیقت رائے پر سختی سے قائم رہو۔ اور کوئی
شے سے ڈرو ان لوگوں کے تشکیک میں جو مذہب سے نکل گئے ہیں اور امام کی مخالفت
کر رہے ہیں۔

امام حسینؑ نے یہ آواز سنی اور فرمایا: "اے عمرو بن اکبح! تو میری جنگ
کے لئے لوگوں کو آمادہ کر رہا ہے؟ کیا ہم مذہب سے نکل گئے اور تم مذہب پر قائم ہو
خدا کی قسم جب یہ چند روز ازادگی ختم ہوگی اور موت کا فریاد بکھڑکے ہر وقت
معلوم ہوگا کہ کون مذہب سے نکلا تھا اور کون آتش جہنم میں سنا رہا ہے کاستن ہر
زطری ص ۲۴۶

اب کوئی بتلائے کہ وہ کونسا مذہب ہے جس سے علیحدہ ہونے کا الزام حسینؑ
وہ صاحب حسینؑ کو دیا جا رہا ہے اور یہ کی امامت کو تسلیم کرتے ہوئے مخالفت امام
کا الزام تاریخ اختلفا سید علیؑ کی روشنی میں کس جماعت کی طرف سے عائد کیا
جا سکتا ہے؟ !!

(۹)

فرزند رسولؐ شہید ہو چکے اور حرم رسالت کے عہد رات امیر ہو کر بار بار زنجیر
میں لائی گئیں اور ابن زیاد نے اعلان کر دیا کہ لوگ مسجد جامع میں مجتمع ہوں، اس
موقع پر ابن زیاد نے منبر پر جا کر تقریر کی ہے اسکا اقتباسی حصہ یہ ہے کہ:-

الحمد لله الذي اظهر الحق واهل ونصارا من المؤمنين يزيد
بن معاوية وخزبه وقتل الحسين بن علي وشيعته
"خدا کا شکر جس نے حق اور اہل حق کو فتح عنایت کی اور خلیفہ وقت ^{بن} یزید
معاویہ اور ان کے گروہ کی مدد فرمائی اور حسین بن علی کو ان کے شیعوں سمیت قتل
کرایا؟ (طبری ص ۲۶۱)

اس سے بھی صریحاً ظاہر ہے کہ حبش کے ساتھ قتل ہونے والی جماعت شیعہ
تھی اور ان کے قتل کرنے والے اس جماعت سے تعلق نہ رکھتے تھے بلکہ وہ اُس
مذہب کے نام لیا کرتے تھے جسے ابن زیاد حق کہتے ہوئے انکی فتح پر شکر ادا کر رہا ہو اور
وہ یزید کو امیر المؤمنین اور خلیفہ حق سمجھنے والی جماعت میں داخل تھے۔

(۱۰)

شہدائے راہ خدا کے سر ابن زیاد کے حکم سے زحر بن قیس کے ساتھ ہیرام
یزید بن معاویہ کے پاس بھیجے گئے اور زحر نے دربار میں آکر فتح و نصرت کی مبارکباد
دیتے ہوئے کہا کاؤ اقدس طرح بیان کرنا شروع کیا۔

ابشر یا امیر المؤمنین بفتح الله ونصره رد علينا الحسين بن
علي في ثمانية عشر من اهل بيته وستين من شيعته فسرنا اليهم فسالناهم
ان يستلموا نيزد علي حكم الامير عبيد الله بن زياد واتصال فلتاروا بالنصال

على الاستسلام فعدونا عليهم مع شروق الشمس فاحطنا بهم من كل
 ناحية حتى اذا اخذت السيوف ملخذ لها من هام القوم يهربون
 الى غير وزد ويلوذون منا بالاكمام والخضر لواذ اكملوا اذا لمجائهم من
 صفقوا لله يا امير المؤمنين ما كان الاجر جزوا ونومة قائل حتى
 اتينا على اخرهم فها تيك اجسادهم مجردة وثيابهم مرملة
 وخذودهم معفرة تصهرهم الشمس وتسقى عليهم الريح زواهم
 العقبان والرخم-

خوش ہو جیے اے امیر المؤمنین خدا کی فتح و نصرت سے آج کو معلوم ہونا چاہیے
 کہ حسین بن علی ہمارے سامنے آئے اور ان کے ساتھ اٹھارہ آدمی ان کے طبیعت
 میں سے تھے اور ساٹھ آدمی ان کے شیعوں میں سے، ہم نے ان سے مطالبہ کیا کہ یا تو
 وہ تابع فرمان ہو جائیں اور امیر عبید اللہ بن زیاد کے حکم کو تسلیم کر لیں اور یا جنگ
 کریں۔ مگر ان لوگوں نے جنگ کو اختیار کیا، آفتاب نکلا ہی تھا کہ ہم انکی جنگ
 کے لئے چڑھ دوڑے اور ہر طرف سے ان کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں تک کہ جب انکے
 سروں پر بھاری تلواروں نے پورا قابو پا لیا تھا تو انکی یہ حالت تھی کہ وہ چاروں
 طرف بھاگتے پھر رہے تھے۔

(جبنا چاہے ظالم جھوٹ بولے، امیر شام کا دربار ہے اور زبان تیرے ہون
 میں اور کوئی ٹوکنے والا موجود نہیں)

لیکن کہیں بپاہ نہ ملتی تھی اور وہ بہاڑیوں اور گڑبھوں میں چھپتے بھر رہے تھے اُسی طرح جیسے کبوتر باز شکاری سے چھپتے بھرتے ہیں، خدا کی قسم امیر المؤمنین بس اتنی دیر لگی تھی کہ جیسے قصاب گو سفند کو ذبح کرے یا دو پہر کو کسی کی آنکھ لگا کر کھلجائے کہ ہم نے انکی پوری جماعت کو کاٹ کر ڈال دیا، اب یہ منظر آپ کے پیش نظر ہو کر انکے جسم پر بہہ پڑے ہیں۔ اور انکے کپڑے خاک میں اٹے اور انکے رخسار مٹی میں بھرے ہیں آفتاب پوری تمازت کے ساتھ ان پر چمک رہا ہے اور ہوا کے جھوکے مٹی اڑا کر ان پر ڈال رہے ہیں اور طائران ہوا انکے گرد جمع ہیں۔

طبری کے راوی کا بیان ہے۔ (اگرچہ ہم کو اس کا یقین نہیں کہ اس دل دوز مرقع کا تصور کر کے یزید کی آنکھوں میں آنسو بھرائے (ص ۲۱۶) ابن حنیفہ دینوری کی کتاب الاخبار الطول ص ۲۵ اور دیمیری کی کتاب حیرۃ السعدان ج ۱ ص ۲۵ میں بھی یہ تقریر موجود ہے لیکن وہ ان اسکی شمر بنی النجاشی کی طرف نسبت دی گئی ہے جو دراز قیاس نہیں ہے۔

ہمارا مطلب اس جملہ سے ہے کہ "ستین من شیعہ" یعنی حسین کیا تھے اٹھارہ انکے اہلیت اور ساٹھ انکے شیعہ تھے، اب تو معلوم ہوا کہ حسین کے قدم پر اس ثبات قدم و استقلال کے ساتھ جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ فاجر ہے جان تیار کرنے والے شیعہ ہی تھے اور وہ کثیر العدد جماعت کہ جو قتل حسین کے لئے جمع ہوئی تھی شیعیت سے کوئی واسطہ نہ رکھتی تھی۔

(۱۱)

قتل حسینؑ کی خوشخبری ابن زیاد کی طرف سے مختلف اطراف میں بھیجی جا رہی تھی جن میں سے عبدالملک بن ابی اسحاق سلمیٰ قاصد بنا کر مدینہ بھیجا گیا کہ وہ عمرو بن سعید بن العاص کو جو اُس وقت مدینہ کا حاکم تھا اس واقعہ کی خبر کرے،

قاصد پہنچا اور حاکم مدینہ کو واقعہ سے مطلع کیا، اُس نے کہا کہ اچھا جا کر مدینہ کے گلی کوچوں میں اس کا اعلان کرو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ عبدالملک ناقل ہو۔
 قلما سمع واللہ واعیۃ قط مثل واعیۃ نساء بنی ہاشم فی دورہ بنی ہاشم
 "میں نے آج تک ایسا کرام نہیں سنا تھا جیسا بنی ہاشم کی عورتوں میں گھوٹا
 کے اندر حسینؑ پر کرام برپا ہو گیا تھا۔"

یہ دیکھ کر عمرو بن سعید ہنسا اور عمرو بن معدی کرب کا یہ شعر مشلا پڑھا۔
 عجت نساء بنی زیاد عجتہ کبھیچہ نسا تغلہ الارنب
 یعنی آج ان عورتوں کو سب طرح رذائیں پڑا رہی جیسے ہماری عورتیں ایک وقت میں رو چکی ہیں
 پھر کہا کہ ہذہ واعیۃ بنی ہاشم بن عثمان بن عفان۔

یہ کلام بدلے میں جو اُس کلام کو جو عثمان بن عفان کے قتل سے ہوا تھا اظہر ص ۲۶
 ان بے خبر دنیا چند روز کے لئے ہنسا رہی ہر قوم منسلک لیکن یاد رکھ کہ اس کا
 نتیجہ سر کاٹ کر رونے کے سوا کچھ نہیں، عثمان کے خون کا بدلہ حسین سے !

اچھا یون ہی سہی لیکن یاد رہے کہ عثمان کے بعد ان کے قاتل پھلے پھولے
اور ایک طویل عرصہ تک دنیا میں زندگی بسر کی لیکن حسینؑ کے قاتل چند ہی روز
میں اس طرح نیست و نابود ہو گئے کہ ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہیگا۔

یہ ہیں مسلمہ تاریخی شہادتیں جو قاتلان حسینؑ کے مذہب کی ترجیحی کر رہی ہیں
ان کو شیعہ کہنے والے سلمے آئین اور نکال الدین طبری میں سے ان ادراک کو جو
قاتلان حسینؑ کو غیر شیعہ بتلا رہے ہیں اور دریا برد کردین ان تاریخوں کو جو انکی
ہنر بان ہیں اسوقت بے شک یہ جرات کرنے کا موقع ہے کہ وہ بھر کہیں قاتلان
حسینؑ شیعہ تھے :

عام اہل کوفہ کا مذہب

یہ خیال اکثر داغون میں گردش کرتا ہو کہ اہل کوفہ عام طور پر شیعہ مذہب کہتے تھے
کیونکہ وہ جل و صفین و نہرمان میں حضرت علیؑ کے شریک جنگ اور معاون و ہمدرد تھے
اور اس طرح جو کچھ حضرت علیؑ کو اپنے اصحاب سے تکلیفیں پہنچیں وہ شیعوں کی سیاہ
کار بان ہیں اور حضرت امام حسینؑ کو جو مصائب برداشت کرنا پڑے وہ بھی انہی کے ہاتھوں
اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے امام حسینؑ کو شہید کیا اور اسکی سہرا میں جب ذیل حوالہ
پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ حضرت مسلم نے جو پیغام امام حسینؑ کے پاس بھیجا تھا۔ اس میں لکھا تھا

لا یغیرک اهل الکوفۃ فانہم اصحاب ابیک الذین یمنی فراقہم بالموت
او القتل -

"اہل کوفہ کے فریب میں نہ آئیے کیونکہ آپ کے والد کے یہ وہی اصحاب ہیں
جنہیں بذریعہ موت یا قتل وہ جدائی کے متمنی تھے۔"
(۲) خود حضرت نے اہل کوفہ کو مخاطب کر کے فرمایا -

"اگر تمہارے دیگر گون کیند و عہد شکنید و حمل بیعت از گردن فرو نہمید قسم
بجان من کہ از شما شکفت نہ باشد چہ با پدر من علی و برادر من حسن و بر سر عم من مسلم
جز این نہ کردید۔" (ناسخ التواریخ)

(۳) محمد حنفیہ نے جب مکہ میں امام کو سفر عراق سے منع کرنا چاہا تو کہا "اے برادر
جو کچھ غدر و مکر اہل کوفہ نے آپ کے پدر و برادر کے ساتھ کیا آپ جانتے ہیں،
میں ڈرتا ہوں کہ میں آپ سے بھی اسی طرح سلوک کریں (جلال العیون)

لیکن مندرجہ ذیل دو نتیجوں کے بعد یہ پوری تقریر پادر ہونا ثابت ہوتی ہو۔
(۱) حضرت علی کی بیعت کر کے آپ کے ساتھ لڑا ایمون میں شریک ہو نیوالون نے
آپ رسول کے بعد بحیثیت وصی برحق و خلیفہ بلا فصل بیعت کی تھی یا پہلے دوسرے
تیسرے دور کے بعد بحیثیت خلیفہ الرابع کے؟

(۲) حضرت علیؑ کو خلیفہ چہارم ہونے کی حیثیت سے امام تسلیم کرنے والا
کس مذہب کا شخص ہو سکتا ہے؟

ان دونوں سوالوں کا جواب آنا واضح ہے کہ جس کے لئے کسی توضیح کی ضرورت نہیں۔

تاریخی حیثیت سے یہ امر مسلم ہے کہ حضرت علیؑ کو ظاہری خلافت کے دور میں جو ہی درجہ پر تسلیم کیا گیا تھا اور آپ کے ساتھ والے لوگ خواہ وہ کوفہ کے رہن یا غیر کوفہ کے اکثر و بیشتر اسی حیثیت سے آپ کی اطاعت کا فرض ادا کر رہے تھے اور یہ امر اصول مذاہب کے علم کا بدیہی مسئلہ ہے کہ حضرت امیرؑ کے متعلق جو تھے نمبر پر خلافت کا اثر اشرعی جماعت کا عقیدہ نہیں ہے بلکہ سواد اعظم کا طرہ امتیاز ہے۔ اسکے بعد حضرت علیؑ کو اپنے صحاب سے جو شکایتیں پیدا ہوئیں اور جو افسوسناک صورتیں پیش آئیں ان کی ذمہ داری شیعی جماعت پر عامہ کرنا نہ سہی نہ انصافی ہے۔ حقیقت اگر علیؑ یا امام حسنؑ کو شیعوں کی جماعت ملتی یعنی وہ کہ جو علیؑ کو ان کے حقیقی مرتبہ کے ساتھ پہچانے ہوئے تھے تو ان کی اطاعت و جان نثاری کی صورتیں مختلف ہوتیں۔

اب ہمارے اس بیان کی روشنی میں اگر ان فقرات کو ایک مرتبہ دوبارہ پڑھو کہ ولا یغرنک اهل الکوفۃ فانهم اصحاب ابیہ آپ اہل کوفہ سے دھوکہ نہ کھائیں یہ وہی آپ کے والد کے اصحاب ہیں۔ وغیرہ وغیرہ تو یقیناً نتیجہ بالکل عکس نظر آئے گا اور معلوم ہوگا کہ کوفہ میں اکثریت اس مذہب کے لوگوں کی تھی جو حضرت کو جو تھے نمبر پر ان کہ حضرت کے گرد اکٹھے ہو گئے تھے۔

اب کہنے دو قاضی نور احمد شو ستری کو کہ "تشیع اہل کوفہ حاجت باقامت دلیل
نہا ردوشی بودن کو فی الاصل خلاف اصل و محتاج بدلیل است" یہ انکا ذاتی
خیال ہے جسکے وہ خود ذمہ دار ہیں۔

اور پھر وہ اہل کوفہ کے تشیع کو مطابق اصل قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف
پہلو کو محتاج دلیل بتلاتے ہیں اور ہم نے قاتلان حسینؑ کے مذہب پر کافی اور کہ قائم
کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ انکو شیعہ مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا اسکے بعد اصل کی
آڑ بچوانا بالکل بے اصل ہے۔

شیعیان کوفہ کی قتل حسینؑ سے تعلق

کوفہ میں جماعت شیعہ کی تعداد اہل کوفہ کے خطوط اور
راہیہ عام کی نوعیت حضرت مسلمؑ کی شہادت اور انقلاب
کوفہ کے علل و اسباب جماعت شیعہ کی بیگناہی و راسخ
تاریخی نصوص شہادات

قتل امام حسینؑ کا الزام اس جماعت اہل کوفہ پر عائد کرنا جو امام حسینؑ کی حقیقت
بلائیروالی تھی اور یہ کہنا کہ وہ شیعہ ہی تھے واقعییت سے کوسون دور ہے اور اس
خیال کی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ صحیفہ تاریخ کا چند ورق
چھپے سے الٹ کر مطالعہ کیا جائے۔

شیعہ کو جھین مذہبی حیثیت سے حقیقی معنی میں شیعہ کہا جاسکتا ہے انکی تعداد ابتدا ہی سے بہت کم تھی لیکن دوستی اہلبیت کا دم بھرنے والے اور اولاد ابوسفیان کے مقابلہ میں حضرت علی کو حقدار خلافت سمجھنے والے جھین اس زمانہ میں شیعہ علی اور شیعہ اہلبیت کہا جاتا تھا انکی تعداد کافی تھی۔

گزارا ہے ایک وہ زمانہ کجب کوفہ شیعیان اہلبیت سے جھلک رہا تھا لیکن ادھر معاویہ کا مالک اسلامیہ پر تسلط ہوا اور کوفہ پر اپنے معلوم باپ کا بیٹا زیاد حاکم مقرر ہوا دھر شیعیان کوفہ پر مظالم کے پاڑوٹ بڑے اور عراق کی جوڑی جھکی زمین آئبر تنگ ہو گئی، ان کا ہر نفس آئندہ آنیوالے خطرات کی پیشین گوئی کرتا اور ہر قیدہ و زانیہ اپنے آخری ہونے کا پیغام سناتا تھا۔

ابو الحسن دانی نے کتاب الاحداث میں اس زمانہ کی مرقع کشی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

كان امثدا الناس بلاء حينئذ اهل الكوفة لكثرة من بها من شيعة علي فاستعمل عليهم زياد بن سمية وضم اليه البصرة فكان يتبع الشيعة وهو بهم عارف لانه كان منهم ايام على فقتلهم تحت كل حجر ومدروا خافهم وقطع الايدي والارجل وسمل الھون وصلمهم على جذوع النخل وطردھم وشردهم عن العراق فلم يبق بها معروف منهم۔

معاویہ کے دور حکومت میں تمام لوگوں سے زیادہ مصیبت میں اہل کوفہ تھے اسلئے کہ وہ ان شیعیان علی کثیر تعداد میں موجود تھے وہاں کا حاکم بھی زیادہ دین سمیہ مقرر کیا گیا اور اُس نے شیعوں کو پوری جستجو کے ساتھ گرفتار کیا اور وہ انکو ہچانتا بھی خوب تھا کیونکہ علی کے زمانہ میں وہ انھیں لوگوں کے ساتھ تھا، اُس نے ان کو جہان باہر لے گیا اور ہاتھ پاؤں قطع کئے اور آنکھوں میں سلائیان بھروائیں اور درختوں پر سولیان دلائیں اور عراق سے جلا وطن کیا یہاں تک کہ کوئی مشہور و معروف شخص انہیں سے باقی نہیں رہا (نصائح کافیہ ص ۸)

اس صورت حال کے بعد ناممکن تھا کہ کوفہ کے اندر شیعہ جماعت کے لئے کوئی نیا یاں حیثیت باقی رہتی بلکہ مارے جانے سولی پانے اور جلا وطن ہونے کے بعد جو بچے کھچے اشخاص موجود بھی تھے وہ گوشوں کے اندر اور پردوں کے نیچے زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے اور شیعیت کا نام بھی زبان پر لانا اپنے استحقاق قتل کی دستاویز خیال کرتے تھے۔

مثلاً مشہور ہے کہ "ظالم کی رسی دراز ہوا کرتی ہے" زمانہ کے ورق الٹتے رہے لیکن قدرت کو ایک طویل زمانہ تک ان سکیسوں کا امتحان لینا منظور تھا صورت حال دو ایک ماہ دو ایک سال نہیں بلکہ بیس سال تک قائم رہی حسین بچے جوان اور جوان بوڑھے اور بوڑھے فنا ہو گئے ہر شیعیت ایک مخصوص با معرفت اور صاحب ایمان جماعت میں مخفی حیثیت سے پرورش پا رہی تھی اور وہ جماعت کوفہ کے آخری بڑے

شہر میں گناہی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔

رو سائے عثمان اور شیوخ قبائل، ذمہ دار و باعتبار اشخاص سب حکومت وقت کے ساختہ و پرداختہ اور اسکی خیر خواہی و دانا داری کی قسم کھائے ہوئے اور شاہی مذہب کے حلقہ گوش و عقیدت کیش تھے۔

رہ گئی عام خلقت جس پر انقلابات کا دار و مدار ہوتا ہے وہ بلا استثنا ہر ملک میں اور ہر جگہ ”ہر کسے سکے زند خطبہ نامش خواند“ کے مطابق ہوا کے سرخ پر اڑنے والی اور زمانہ کے غیر معمولی حوادث سے سرعت کے ساتھ رنگ بدلنے والی ہوا کرتی ہے۔

اُن میں ایک ایسا اچانک امر جس میں جوش انگیزی کی طاقت ہو وہ انقلاب پیدا کر سکتا ہے جو برسوں کی دعوت و تبلیغ پیدا نہیں کرتی۔

اسکے نمونہ حکومتوں کے تغیر و تبدل اور سلاطین کے عزل و نصب کی صورت میں ہمیشہ نظر سے گذرتے رہتے ہیں اور وہ اکثر و بیشتر اسی قسم کی ناگہانی صورتوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

بیشک بیس سال تک صورت حال ایک طرح رہنے کا سبب یہی تھا کہ اس مدت میں کوئی تازہ حادثہ رونما نہیں ہوا جو رجحانات طبعی سے لڑ کر اُن کو سیلا کی طرح کسی خاص طرف متوجہ کر سکے۔

سہ ماہ کے جب کاہنہ وہ تھا کہ جس میں امیر معاویہ نے انتقال کیا اور انکا

نامزد کردہ خلیفہ وجانشین اُن کا بیٹا نہ ہو، ایسے ہی مواقع وہ ہوتے ہیں جو پرسکون فضا میں تہج اور مطمئن سطح میں تلاطم پیدا کرتے ہیں۔ فطرۃً ہر شخص سابق فرمانروا کے بعد اپنے جدید والی سلطنت اور قسمت کو مالک کی سابقہ زندگی اور اُس کے اخلاق و عادات اور ذاتی خصوصیات کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں لذت محسوس کرتا ہے اور بیک وقت مختلف حلقوں اور جماعتوں میں یہی جوچ شروع ہو جاتے ہیں۔

نیز یہ کہ اخلاق و عادات، اُسکی مے نوشی اور شہوت رانی، اسکی لہلانہ جانی اور لہو و لب میں سرگرمی، احکام شرعیہ سے آزادی اور خواہشات نفس کی بے پاری اسی بڑھی چھٹی حیثیت رکھتی ہو۔

جاننے والوں کو یاد آگیا اور انجام کا نقشہ آنکھوں میں پھرنے لگا اور نہ جاننے والوں کو بے پنجہ گچھ میں معلوم ہوا کہ ہمارا ہونے والا خلیفہ و مالک سلطنت ان صفات و عادات کا شخص ہے۔

یقیناً اس کا نتیجہ تھا کہ ایک عام جھینپی و مضطرب اور نفرت و بیزاری کا جذبہ بیندین میں پیدا ہو جائے اور اسی کے ساتھ آنکھیں گردش کرنے لگیں کہ کرن ہے جو اس آڑے وقت پر کام آئے اور اُن ذمہ داریوں کو جو سلطنت و خلافت کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اپنے کاندھے پر اٹھا کر امت اسلامیہ کو اس بدکردار خلیفہ کے ہاتھ سے چھٹکارا دے۔

اسی کے ساتھ یہ خبریں بھی مشہور ہوئیں کہ حسین بن علیؑ نے یزید کی خلافت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے اور وہ اسی لئے مدینہ سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ آگئے ہیں اور یہ طے کر لیا ہے کہ جو کچھ بھی یزید کی بیعت نہ کریں گے۔

اسوقت شیعوں کی اس جماعت کو جو بنی برس کی طویل مدت تک طرح طرح کے صبر آزما مظالم برداشت کرتے کرتے عاجز آچکی تھی اور ہر وقت دہراں حضرت احدیت کی جانب سے کشائش و نصرت کی منتظر تھی اپنی مایوسیدن کی مدت سے چھٹائی ہوئی ساری گھٹائیں امید کی شعاعیں نظر آنے لگیں اور ان کے ضمیر نے آواز کی کہ اس موقع سے بہتر کوئی موقع نہ ملے گا اور اسوقت کا سکوت اپنے اٹھ سے اپنی خودکشی کا مرادف ہو گا۔

یہ سوچ کر سلیمان بن صرد صحابی رسولؑ کے گھر میں مجتمع ہوئے سین رسیدہ اور تجربہ کار سلیمان نے جو رسالتا جب کی آنکھیں دیکھے ہوئے سادامیر المؤمنین علی بن ابیطالبؑ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک رہ چکے تھے مجمع کو ان الفاظ سے مخاطب کیا۔

ان معاویہ ہلاک وان حسینا قد تقبض علی القوم ببیعتہ وقد خرج الی ملکة وانتم شیعۃ وشیعۃ ابیر فان کتم تعلمون انکم ناصرہ ومجاہدہ وعدہ فاکتبا الیہ وان ختم الوہل والقتل فلا تفرما الرجل من نفسه

”معاویہ کا انتقال ہوا اور حسینؑ نے یزید کی بیعت سے انکار کیا ہے اور وہ مکہ معظمہ چلے گئے ہیں آپ لوگ انکار انکے پذیر گزار کے شیعہ ہیں، اگر آپ اس بات کو چاہیں

رکھتے ہوں کہ انکی نصرت و مدد میں اور انکے دشمنوں سے جنگ میں کوتاہی نہ ہوگی تو ہم
 انکو خط لکھتے اور اگر سستی و کمزوری کا خون ہو تو برائے خدا ایک شخص کو فریب دیکر
 اسکی جان کو خطرہ میں نہ ڈالتے۔

الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ سلیمان ایک مقرر کے فرض کو ادا کرتے ہوئے
 گر جتنے برستے الفاظ سے وقتی جوش کو برانگیختہ اور الفاظ کی طاقت سے رگوں میں خون
 دوڑا کر اپنے مقصد کو حاصل کرنا نہیں چاہتے بلکہ وہ مجمع سے خود انکے موجودہ جوش و دلو
 کی آخری تھارہ اور موقع اتمام عمل پر اسکی انتہائی کارفرمائی کا جائزہ لوانا چاہتے
 ہیں اور اسی کے ساتھ ان کو موقع کی نزاکت اور آئینہ کے خطرات کا اندازہ کر دینا
 مقصود ہے۔ یہ امر فطری ہو کہ جذبات کی بڑائی کیلئے کے موقع پر انسان کو اپنی طاقت کا
 اندازہ مشکل سے ہوتا ہے اور وہ عواقب کی فکر اور سخت مواقع پر اپنے جذبات سے استقلال
 کی تشخیص میں غلطی کر جاتا ہے۔ مجمع کے اندر انکے بڑھتے ہوئے جوش میں سلیمان کے الفاظ
 نے وہ کام کیا جو بانی کا جھینٹا اٹھتے ہوئے آگ کے شعلوں میں ایک مرتبہ سب
 بول اٹھے کہ نہیں نہیں ہم یقیناً انکے دشمنوں سے جنگ کریں گے اور اپنے تئیں حضرت
 کے قدموں پر تار کرینگے۔

یہ جمیعت کتنی تھی یا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ کسی میدان یا جگہ
 تھراوات کے وسیع صحرائے کی زمین منت نہ تھی بلکہ وہ عربی ساخت کے مختصر مکانات میں سے
 جن کے نمونہ آج کل عربستان میں نظر آجاتے ہیں ایک مکان یعنی سلیمان بن صرد کے

گھر میں مجتمع ہو گئی تھی۔

مذکورہ بالا سوال وجواب اور اس کے الفاظ میں بیشک صداقت کا جوہر نظر آ رہا ہے اور وہ بولنے والوں کے باطنی ضمائر کی ترجمانی کر رہی ہیں لیکن وہ آئندہ ہونیوالے ناگہانی انقلابات کا کہا تک مقابلہ کر سکتے ہیں اس کا فیصلہ مستقبل ہی کے ہاتھ ہیں۔
سیمان بن صرد کی حجت تمام ہو چکی تھی، خط امام حسینؑ کے نام بدین عنوان لکھا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحسین بن علی من سلیمان بن صرد والمسیب بن نجبة ورفاعة بن شداد وجبیب بن مظاہر وشیعته من المؤمنین والمسلمین من اهل الکوفة اسکے بعد معاویہ کے انتقال پر اظہارِ مسرت کیا گیا تھا اور لکھا تھا کہ :-

انه ليس علينا امام فاقبل لعل الله ان يجمعنا بك على الحق
والنعمان بن بشير في قصر الامارة لستنا نجتمع معه في جبعة ولا نخرج
معه الى عيد ولو قد بلغنا انك قد اقبلت الينا اخو جناة حتى نلحقه
بالشام ان شاء الله والسلام ورحمة الله -

ہمارے سر پر کوئی امام نہیں ہو لہذا آپ تشریف لائیے، شاید آپ کی وجہ سے ہم حق کی نصرت پر ہم آہنگ ہو سکیں اور نعمان بن بشیر دارالامارہ میں موجود ہے ہم اسکے ساتھ نماز جمعہ میں شریک نہیں ہوتے اور نہ عید گاہ جاتے ہیں، اگر ہم کو خبر ملے ہو جائیگی کہ آپ تشریف لارہے ہیں تو ہم اسکو بیان سے نکال کر شام جانے پر مجبور کر دیں گے۔ والسلام

اس خط کو عبداللہ بن مسیح ہدانی اور عبداللہ بن وال کے ہاتھ روانہ کیا گیا اور یہ سب سے پہلا خط ہے جو امام کو مکہ معظمہ میں دسویں ماہ رمضان کو ملا۔

جمعیت منتشر ہوئی اور اب ہر ایک نے اپنے حلقہ اثر میں اس تحریک کو پھیلا نا شروع کیا اور دو ہی دن کے عرصہ میں ۵۴ عرصہ نشین طلباء ہو گئیں جو ایک دو میں جا رہے اور میوں کے دو خط سے تھیں اور یہ خط طقیس بن مسہر صید اوی اور عبدالرحمن بن عبداللہ بن کدن اصبی اور عمارۃ بن عبید سلولی کے ہاتھ روانہ ہو گئے اس اضطراب اور روحانی تلاطم کے سبب جو نریذ کی خلافت کے باعث عالم پر پیدا تھا اور جس میں کسی مذہب و مسلک کا افتراق نہ تھا ان حضرات کی مذکورہ بالا تجویز کا ہر طرف سے خیر مقدم کیا گیا اور وہ لوگ جو شیعت کا جذبہ نہ رکھتے تھے وہ بھی اس خیال سے نہ سہی کہ حسین تمام دنیا کو چھوڑ کر امامت کے مستحق ہیں بلکہ اس خیال کو کڑی پالیسی شرابخوار و فاسق سے حسین بن علیؑ ایسی کامل دلائل ہستی یقیناً مسلمانوں کے لئے بہتر ہے اس تحریک کے گرجوشی کے ساتھ موید نظر آنے لگے جس کو دیکھ کر ان افراد کو جو حقیقت اس تجویز کے محرک تھے یہ یقین پیدا ہو گیا کہ رائے عام ہمارے ساتھ ہے اور اب کامیابی ہمارے قدم سے وابستہ لیکن حقیقت یہ غریب نظر تھا، عام خلقت کو اس تحریک سے ہمدردی ویسی ہی تھی جیسے آدمی کے رخ پڑنے سے پند۔

اس غلط اندیشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ یا تو پہلے خط میں لعل اللہ انو بھٹنا

کی لفظین پیچ و جا را اور اجتماع و اتفاق کا خیال توقع کی صورت میں ظاہر کر رہی تھیں اور باب آخری خط پر زور الفاظ میں لکھا جاتا ہے جو مضبوط یقین اور کامل اعتماد کا منظر ہے۔

الحسین بن علی من شیعته من المومنین والمسلمین اما بعد
فخی هلا فان الناس ینتظر وذاك ولا رأی لهم فی غیرك فالحجل
الحجل والسلام علیك۔

تشریف لائیے جلد اسلئے کہ لوگ آپ کے منتظر ہیں اور آپ کے سوا کسی کی مات
تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں لہذا جلدی کیجئے جلدی والسلام
اس خط کو ابی بن ابی جمعی اور سعید بن عبد اللہ غفی کے ذریعہ روانہ
کیا گیا تھا۔

اب تک جو کارروائیاں ہو رہی ہیں وہ اجتماعی کہی جاسکتی ہیں اسلئے کہ
اُن میں جماعت شیعہ اور اس کے ذمہ دار نائیدے پیش پیش نظر آ رہے ہیں۔
اور وہ کارروائیاں اس خط پر ختم ہو گئیں جو اپنے مفسدین کے اعتبار سے بھی
بالکل آخری کہا جاسکتا ہے لیکن اسکے بعد ایک خط کو ذمہ سے جاتا ہوا نظر آ رہا
امام حسینؑ کے نام جس کے الفاظ یہ ہیں۔

اما بعد فقد اخضر الحجاب وابتعت الاثمار وطمئت الاجام فاذا
سئت فاقد م علی جندك محمد والسلام علیك۔

"کیستیان اہلہا رہی ہیں اور میوے و خون میں رسیدہ ہیں اور تالاب
 بزرہ میں پس جب آپ جا ہیں تشریف لائیں ایک ایسے لشکر کی جانب جو آپ
 کے لئے آراستہ موجود ہے والسلام؟"

اس پر سات آدمیوں کے دستخط ہیں شہید بن ربیع حجار بن ابجر زید
 بن حارث۔ زید بن رولم۔ عروہ بن قیس۔ عمرو بن الحجاج زبیدی محمد بن
 عمر بن عیسیٰ ابن تمام واقعات کے لئے ملاحظہ ہو طبری ج ۶ ص ۱۹۷
 ذرا پہلے خطوط اور اس خط میں عنوان کی حیثیت سے موازنہ کرو، ان
 خطوط میں سے ہر خط میں برابر اپنے تشیع و ایمان کا حوالہ ہے، معاویہ و آل معاویہ
 کے غضب خلافت کا تذکرہ ہے حسین بن علی کے استحقاق امامت کا اعتراف ہو
 لیکن اس خط میں یہ کچھ بھی نہیں۔

اسکے علاوہ یہ سات آدمی اگر اسی جمعیت کے رکن تھے جو امام حسین کو دعوت
 دی کہ اپنی تھی تو ان اجتماعی خطوط میں ان کا کہیں نام کیون نظر نہیں آتا، باوجودیکہ
 یہ لوگ کوئی گمنام اشخاص نہیں بلکہ رؤسائے عشائر اور شیوخ قبائل کی حیثیت
 رکھتے ہیں۔ نامکون تھا کہ سلیمان بن صرد اور مسیب بن نجبه اور رفاعہ بن شداد
 اور حبیب بن مظاہر ایسے محراب عبادت میں زندگی گزارنے والے بے اہم و رسم
 اشخاص کا تو اس میں نام ہوا اور یہ لوگ نظر انداز کر دیئے جائیں۔ پھر جبکہ وہ کٹھی
 ایک آخری کارروائی کر چکی تھی جس میں پرزور الفاظ میں تعجیل کی درخواست

تھی تو اب ان اشخاص کو اس انفرادی کتب لکھنے کی کیا ضرورت تھی؛
اور پھر میری قوتِ شامہ کو تو اس خط کے طرزِ تحریر اور اُسکے الفاظ سے بھی
کوئی خلوص و محبت کی بوحسوس نہیں ہوتی بلکہ برعکس اس کے مجھ کو اس کے اندر
استہزاء و مسخر کا جو ہر کارفرما نظر آ رہا ہے۔

آخر حسین کو اہلہا تھی کھیتینوں سے کیا کام اور رسیدہ میوؤں سے کیا غرض
اور لبریزِ الاہون سے کیا مطلب؟ پھر اس میں امام حسینؑ کی تشریف آوری کی
خواہش کا بھی پتہ نہیں ہے بلکہ آنے نہ آنے کو آپ کی مشیت پر محمول کر کے ایک
خبر رسانی کی سی صورت ہے کہ یہاں یہ طیاریاں ہو گئی ہیں جب آپ کا دل چاہے
تشریف لائیے۔

ان وجوہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان اشخاص کو اس جماعت سے کچھ شیعہ
کمی جاسکتی تھی کوئی تعلق نہ تھا بلکہ راتوجیب دیکھا کہ خطوط اس قدر جا چکے ہیں کہ
امام حسینؑ ضرور ہی ان کے مطالبہ کو پورا کر کے تشریف آوری عراق کا ارادہ کر لیں گے
اور موجودہ صورتِ حال کی بنا پر ان کو کادیبا بی بھی حاصل ہوگی۔ تو ہم بھی بینِ بچپن
سواروں میں کی مثل کے مطابق یہ چاہا کہ ہم بھی خطوط لکھنے والوں میں شمار کر لیں
اس طرح حضرت کی حکومت ہونے پر جسکے توقعات قائم ہو چکے ہیں ہم سے بظنی
نہ پیدا ہوگی اور یا اس کے اندر کوئی باطنی سازش منہم تھی جس کی بنا پر ہر متفقہ
طور سے یہ خط لکھا گیا تھا۔

یہ یاد رکھنے کی بات ہو کہ ان خطوط لکھنے والوں میں سے جو جماعت شیعہ کے نام سے گئے ہیں ایک شخص کی بھی موجودگی واقعہ کر بلا میں امام حسینؑ کے مقابلہ میں پائی نہیں جاتی بلکہ ان میں سے حبیب بن مظاہر نے کر بلا میں امام حسینؑ کے قدموں پر جان بازی کے ساتھ دم توڑ کر ہمیشہ کے لئے سرخروئی حاصل کی اور ان اشخاص میں سے جو خطوط کے لیجانے والے تھے سعید بن عبد اللہ حنفی نے اس طرح جان نثار کی جس کی نظیر کسی شہید کے بیان نظر نہیں آتی۔

نہر کے بعد جب لڑائی نے زور پکڑا اور خونخوار دشمنوں کا لشکر امام حسینؑ کے نزدیک پہنچ گیا اس وقت یہ جان باز امام کے سامنے کھڑا ہو گیا اور جو تیر حسینؑ کی طرف آتا تھا اسکو اپنے سینہ پر روکتا تھا، آخر اتنے تیر پڑے کہ وہ جان نثار مردہ ہو کر زمین پر گر پڑا (طبری ص ۲۵۲)

اور عبد الرحمن بن عبد اللہ بن کدہ ارجی روز عاشورا امام حسینؑ سے جاوے فیکر میدان قتال میں آئے اور یہ رجز پڑھا۔

صبر اعلیٰ الایمان والامنة صبر اعلیٰھا لدخول الجنة
بہر جنگ کی یہاں تک کہ شہید ہوئے (ابصار العین ص ۱۷۸)

اور قیس بن مسهر صید اوی نے اپنی زندگی کے آخری نفس تک جس وقت واستقلال کے ساتھ اپنے فرض کو ادا کیا اس کا تذکرہ صفحہ تاریخ پر زرین حروف میں ہمیشہ ثبت رہے گا۔

اسوقت کہ جب امام حسینؑ نے بطن الرّمہ سے اہل کوفہ کے نام خط دیکر اُنکو روانہ کیا اور حصین بن تمیم کے ہاتھوں جو قادیسیہ میں ناکہ بندی پر مقرر تھا یہ گزرتا رہ کر ابن زیاد کے پاس لائے گئے اور اُس نے حکم دیا کہ قصر دارالامارہ پر جا کر حسین بن علی کے بارے میں کلمات نازیبا استعمال کریں۔ یہ موقع تھا جسکو قیس نے بہترین موقع تبلیغ کا سمجھا اور بالائے قصر جا کر بلند آواز سے کہا

ایہا الناس ان هذا الحسین بن علی خایر خلق الله ابن فاطمة بنت رسول الله وانا رسولہم الیکم وقد فارقتہ بالحاجر فاجیبوہ -

”سب کو معلوم ہونا چاہیے کہ حسینؑ فرزند علی و فاطمہ اسوقت خلق خدا میں سب سے افضل و بہترین اور وہ مقام حاجر تک پہنچ چکے ہیں، میں اُنہی کا بھیا ہوا ہوں اب تم سب اُنکی آواز پر لبیک کہو“

یہ فطین ختم ہوئی ہی تھیں کہ ابن زیاد کے حکم سے اُنکو قصر دارالامارہ کی بالائی سطح سے نیچے گرا دیا گیا اور اُس شہید راہ خدا کی بڑیاں سرسبز ہوئیں (طبری ۲۲۷)

ان خطوط کے لکھنے والے شیعہ تھے اور اُنکی برائت قتل حضرت سید الشہداء سے یقینی طور پر ثابت ہے۔

برخلاف اس کے آخری خط جس پر سات آدمیوں کے دستخط تھے ان میں سے پانچ شخص شہید بن ربیع اور حجار بن ابجر اور فرزہ بن قیس

اور عمرو بن حجاج زبیدی اور زید بن حارث مسلمان واقعہ کر بلا میں موجود اور
قتل امام حسینؑ میں شریک تھے اور بقیہ دو کے نام اگرچہ کسی موقع پر نظر
نہیں آتے لیکن قرائن کی رو سے قرین قیاس ہے کہ انھوں نے بھی اپنے
ساتھیوں کا ساتھ دیا تھا۔

یہ وہی اشخاص ہیں جن کے متعلق کافی وضاحت کے ساتھ ثابت
کر دیا گیا ہے کہ انھوں نے اپنے تئیں شیعہ لکھا تھا اور نہ واقعات کی
بنیاد پر انکا جماعت شیعہ سے کوئی تعلق معلوم ہوتا ہے۔

امام حسینؑ نے اہل کوفہ کے متواتر خطوط کو دیکھ کر احتیاطی تدبیر یہ
کی کہ مسلم بن عقیل کو اپنا نمائندہ بنا کر ایک تحریر کے ساتھ روانہ کیا جس میں
لکھا تھا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

من حسین بن علی ابی الملائم المؤمنین والمسلمین اما بعد
فان هاتوا وسعيد الله ما على بكتبكم وكانا اخر من قدم على من سلمكم
وقد فحمت كل الذي قصصتم وذكركم ومقالة جلكم انهم
ليس غايانا امام فاقبل حل الله ان يجمعنا بك على الهدى
والحق وقد بعثت اليكم اخي وابن عمي وثقتي من اهل بيتي

وامر قد ان یکتب الی بھالکم و امرکم رأیکم فان کتب الی انہ
قد اجمع رأی ملاکم و ذوی الفضل و النجی منکم علی مثل
ما قد مت علی بہ سسلکم و قرأت فی کتبکم اقدم علیکم
و شیکا ان شاء اللہ فلعمری ما لا امام الا العامل بالکتاب
والاخذ بالقسط والداین بالحق والحابس نفسه علی ذات اللہ
والسلام۔

”بانی اور سید تمھارے خطوط کو لیکر پہنچے، اور یہ دونو شخص تمھارے
سب سے آخری قاصد ہیں جو میرے پاس آئے ہیں، میں نے جو کچھ تم لوگوں نے
لکھا تھا اس کو غور سے پڑھا اور سمجھا، تم میں سے اکثر کا قول یہ ہے کہ ہمارے
سر پر کوئی امام نہیں آپ آئیے شاید خدا ہم کو آپ کی بدولت حق پر جمع کر دے،
اچھا تو اب میں تمھاری جانب اپنے بھائی اور چچا کے بیٹے اور اپنے محل اعتماد
عزیز قریب نوروانہ کرتا ہوں اور انھیں حکم دیدیا ہے کہ وہ مجھ کو تمھارے حالات
و خیالات سے مطلع کریں، اگر انھوں نے کھا کہ تمھاری جماعت اور اہل محل عقیدہ
افراد نے اتفاق کر لیا ہے اس امر پر کہ جس کو تم نے اپنے خطوط میں ظاہر کیا ہو تو
میں عنقریب تمھاری طرف آتا ہوں اور امام کے کوئی معنی نہیں سوائے
اس شخص کے جو کتاب الہی پر عامل اور عدالت کا پابستہ اور حق کا تابع اور
اپنی ذات کو خدا کی مرضی پر وقف کئے ہوئے ہو (اسلام)۔ زبیری ص ۱۹۱ و ص ۱۹۲

آخری لفظوں میں درحقیقت خط لکھنے والوں کے عقیدہ تشیع کی لطیف عنایت سے اصلاح ہے، اسکا تشیع حقیقتہً صرف محبت اہلبیت اور ان کے مقابلہ میں دوسروں کو ناقابل حکومت و خلافت سمجھنے تک محدود تھا لیکن معارف صحیحہ اور عقائد حقہ جو فرقہ ریشیہ میں حکم عقل و تعلیم اہلبیت علیہم السلام مسلم حیثیت رکھتے ہیں وہ انکی نگاہوں سے اوجھل تھے۔

اُن کے خطوط کے اندر یہ جملہ پیش پیش نظر آتا ہے کہ لیس علیہ السلام "ہمارے سروں پر کوئی امام موجود نہیں" حالانکہ اگر صحیح معرفت امام اُن کے دلوں میں موجود ہوتی تو وہ سمجھتے کہ امام کی امامت کسی فوج و لشکر اور تاج و تخت کی محتاج نہیں اور وہ اب نہیں بلکہ دس برس پیشتر سے حسین بن علیؑ کے لئے محفوظ ہے، وہ اسکی محتاج نہیں ہے کہ حسینؑ انکی جماعت میں آکر اُن کی نصرت حاصل کریں اور ان کے اتفاق و اتحاد سے فائدہ اٹھائیں تب امامت کا انعقاد ہو۔

امامؑ نے اپنے اس جملہ میں کہ ما الامام الا العامل بالکتاب الخ "اگر حقیقت امر پر مطلع فرمایا ہے" کتاب الہی بر عامل و رعایت کا پابند اور انبیؑ ذات کو ہر حرکت و سکون میں لازمی طور سے خدا کی مرضی پر وقف کئے ہوئے" اسی تفصیل کا اجمال اور اصطلاحی مفاد "معصوم" ہے اور مطلب یہ ہوا کہ امام کے لئے کسی قہر و غلبہ کی حاجت نہیں ہے بلکہ جو بھی معصوم ہو وہ بہر حال

امام ہے۔

یہ تو حملہ معترضہ تھا۔ اس خط کی عبارت سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم بن عقیل جنگ پر مامور نہ تھے اور نہ کوفہ کی تسخیر کے لئے بھیجے گئے تھے بلکہ وہ صرف ایک نایندہ کی حیثیت رکھتے تھے جو کوفہ کی رائے عام اور وہاں والوں کے حالات و خیالات کا حضرت سید الشہداء کے متعلق اندازہ کر کے حضرت کو اُس سے مطلع کریں۔

حضرت مسلم کے درود کوفہ کے موقع پر طبری اور دوسری مستند تاریخوں نے جو حالات قلمبند کئے ہیں اُنکی بنا پر سلیمان بن صرد خزاعی کی موجودگی کوفہ میں پائی نہیں جاتی ورنہ مسلم کو مختار بن ابوعبیدہ ثقفی کے گھر میں اُترنے کی ضرورت نہ تھی^{۱۱}

جبکہ سلیمان بن صرد اس تحریک کے روح روان اور قائد اعظم تھے اور کوفہ کی جماعت شیعہ میں سب سے زیادہ موجد اور با اقتدار تھے جسکی تصدیق اُن الفاظ سے ہوتی ہے جو رفاعہ بن شداد نے اُس موقع پر کہے ہیں کہ جب یہ لوگ بعد قتل امام حسین انتقامی تدابیر پر غور کرنے کے لئے

۱۱۔ مجھ کو معلوم ہے کہ بعض کتب مقاتل میں مسلم کا ابتدائی قیام سلیمان بن صرد کے مکان پر بتلایا گیا ہے لیکن مستند تاریخی شہادتیں اس کے خلاف ہیں ۱۲

جمع ہوئے ہیں اور مسیب بن نجبه نے صورت حال کو پیش کرتے ہوئے کسی رئیس کے انتخاب کی تحریک کی ہے۔ اسوقت رفاعہ نے کہا۔
 ان سلامیت و راعی اصحابنا ذلک و لیکن اھذا الامر شیخ
 الشیعة صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ و
 ذال السابقۃ و القدام سلیمان بن صرد الحمد و فی باسہ و دینہ
 و الموثوق بحزمہ۔

”اگر سب کی رائے ہو تو ہم اس مہم کی قیادت و سرکردگی سلیمان
 بن صرد کے سپرد کریں جو شیخ الشیعہ اور رسالتکب کے صحابی اور مہم
 سب پر مقدم اور کارہائے نمایاں کیے ہوئے شخص ہیں جنکی شجاعت و دیانت
 و وزن قابل تعریف و ثنا اور موقع مبنی و آزمودہ کاری محل طینان ہے
 (طبری جلد ۷ ص ۴۸)

”انکی موجودگی میں مسلم بن عقیل کو انہی کے یہاں قیام کرنا ناگزیر تھا
 اور پھر مسلم کے دوران قیام میں اسوقت کہ جب حالات سازگار تھے
 اور لوگ بیعت کے لئے ٹوٹے پڑ رہے تھے وہاں بھی سلیمان کا کہیں پر
 تذکرہ نظر نہیں آتا اور حضرت مسلم کی دعوت پر پہلا جوا اجتماع ہوا اُس کے
 مقررین کی فہرست میں بھی سلیمان کا نام نہیں ہے حالانکہ عرب کی سابقہ و
 حال تہذیب کے مطابق اگر سلیمان بن صرد موقع پر موجود ہوتے تو سوائے انکے

کسی کو سب سے پہلے زبان کھولنے کا اور کسی تقریر کرنے کا حق نہ تھا۔
 اور اگر سیلان باوجود وہاں ہونے کے کسی وجہ سے مسلم کی نصرت سے
 پہلو ہٹا کر تہذیب کی نایاں شخصیت کو دیکھتے ہوئے تاریخ میں یہ واقعہ
 اہمیت کے ساتھ مندرج نظر آتا کہ سیلان ایسے شخص نے مسلم سے بوقت ورود
 ہی صلح کی اختیار کی اور اس کا نتیجہ سب سے بڑا جو ہوتا وہ یہ کہ مسلم کو
 اس تلخ تجربہ کے بعد اہل کوفہ کی وفاداری اور شہادت قدم و استقامت
 کے متعلق وہ خوش گوار توقعات قائم نہ ہوئیں جنکے باعث وہ امام حسین
 کو لکھتے کہ آپ ضرور یہاں تشریف لائیے۔

حضرت مسلم نے مختار بن ابوعبیدہ کے مکان پر قیام کیا اور جن جن
 اشخاص کو اطلاع ہوتی گئی وہ مسلم کے پاس شرف زیارت حاصل
 کرنے کے لئے آتے گئے جب کافی مجمع ہو گیا تو مسلم نے امام کا خط جو عجات
 شیعہ کے نام تھا پڑھ کر سنا یا جس سے مجمع میں کافی جوش کے آثار ظاہر
 ہوئے اور عابس بن ابی شیبہ خاگری نے کھڑے ہو کر حمد و ثنائے آگے کے
 بعد اپنے ذاتی خیال کو ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

انی لا اخبرک عن الناس ولا اعلم ما فی انفسہم وما
 اغترک منهم واللہ احدک عما انا موطن نفسی علیہ واللہ
 لا جیبکم اذ ادعوتکم ولا قاتلن معکم عدوکم ولا ضربن بسیفی

دو نیکو حتی اقلی اللہ لا ارید بذلک الاما عند اللہ۔

"مجھ کو عام لوگوں کے متعلق کسی اظہار خیال کا حق نہیں اور نہ مجھے معلوم ہے کہ اُنکے دلوں میں کیا ہے اور نہ میں اُنکی طرف سے وکالت کر کے آپ کو فریب میں ڈالنا چاہتا ہوں لیکن میں وہ ظاہر کرتا ہوں جس کو میں نے اپنے دل میں ٹھکان لیا ہے۔ خدا کی قسم میں جسوقت بھی آپ دعوت دینگو لبیک کہتا ہوا حاضر ہوں گا اور آپ کے ہمراہ دشمنوں سے جنگ کروں گا اور آپ کے سامنے شمشیر زنی کروں گا یہاں تک کہ اس زندگی کو ختم کر کے اپنے خدا سے ملاقات کروں اور میرا مقصد اس سے سوائے جزائے اخروی کے کچھ نہ ہوگا۔" یہ تقریر ختم ہونا تھی کہ حبیب بن مظاہر کھڑے ہو گئے "مرحبا جزاک اللہ کتنی مختصر لفظوں میں تم نے اپنے ذاتی خیالات کو واضح کر دیا۔"

پھر حضرت مسلم کی طرف خطاب کر کے "خدا کی قسم میرا بھی ذاتی خیال وہی ہے جو عالس بن ابی شیبہ نے اپنی لفظوں میں ادا کیا۔" ایسی ہی لفظوں میں سعید بن عبد اللہ حنفی نے تائید کی اور مجمع متفرق ہوا۔

خط کے مضمون کی بناء پر اس کا روایتی کا مقصد واضح ہے یعنی یہ عہد و بیان اس امر کے متعلق نہ تھا کہ مسلم کوئی جارحانہ اقدام کرنا چاہتے ہیں اور اس میں یہ لوگ مسلم کی معاونت کریں گے اور نہ اسوقت یہ وہم و خیال

کسی دل و دماغ میں گردش کر رہا تھا کہ چند ہی روز میں تن تنہا مسلم کے مقابل میں
فوج کشی ہوگی اور اس لئے اس تمام جماعت کو طیار رہنا چاہیے بلکہ یہی
عہد و بیان صرف امام حسینؑ کی تشریف آوری کی پیش نہاد اور اس
موقع کے لئے ان لوگوں کے عزائم و نیت کے اندازہ کے لئے تھا۔

مسلم بن عقیل کے ورود کی خبر کوفہ میں عام طور پر مشہور ہو گئی اور
اس فضا کے لحاظ سے جو اس تحریک یعنی امام حسینؑ کو دعوت کے متعلق
ابتداء ہی سے کوفہ میں پیدا ہو گئی تھی اور جس کے اسباب و ضاحت کیساتھ
درج کئے جا چکے ہیں ہر شخص نے اس خبر کا مسرت کے ساتھ استقبال کیا
بقول شخصہ خلقت بھیڑ یا دھسان ہوتی ہے، جد ہر ایک چلا

اُدھر سب یزید کی خلافت سے بسبب اسکی سیاہ کاریوں کے بیزاری
ایک طرف، حسینؑ بن علیؑ کی ہر دلعزیزی نہ مذہبی نقطہ نظر سے بلکہ اپنے
اخلاق و کمالات کے لحاظ سے دوسری جانب وہ لوگ کہ جو مسلم بن عقیل
کی تحریک کے مبلغ و داعی تھے انکی ذاتی وجاہت و تعلقات تیسری جانب
اور "کل جدید لذیذ" کے طبعی قانون کے مطابق ہر تازہ تحریک میں جو لذت
یا جذب ہوتا ہے وہ چوتھی جانب، ان تمام باتوں کا کمر یہ نتیجہ تھا کہ اکثر
مسلم کے ہاتھ پر ایک ہفتہ کے اندر اٹھارہ ہزار کوفیہ میں نے بیعت کی۔
لیکن کیا یہ سب شیعہ تھے یا کیا کوفہ میں زیاد و آل زیاد کی بیسیں سال

حکومت کے بعد جس میں کھینچی ہوئی گوارین اور جلا دون کے ہاتھ برابر
 اپنی سفاکی میں مشغول رہے اور دست و پاسرو زبان کے قطع و برید کا سلسلہ
 برابر جاری رہا کو فرمیں بیس ہزار کی اتنی تعداد میں شیعہ موجود ہو سکتے تھے
 اور جب یہ زمین تو کیا مذکورہ بالا سطحی عارضی اسباب سے جو رائے عام
 ہموار ہوئی ہو اُس میں کوئی وزن یا ثبات و استقرار ہو سکتا ہے ؟
 بیشک جب اس تحریک کے ابتدائی محرک اشخاص کو رائے عام کی
 نوعیت سمجھنے میں غلطی ہوئی حالانکہ وہ یہیں کے رہے سے پروردہ اور
 تجربہ یافتہ تھے تو مسلم بن عقیل کو کہ جنہیں اس شہر کے حالات کا تجربہ
 بھی بے مال نہ تھا صورت حال کی تشخیص میں دھوکا ہونا قابل تعجب نہیں ہو
 مسلم کی تحریک کو چلانے والے۔ انکی صدا پر سب سے پہلے لبیک کہنے
 والے اور سب سے پہلے اجتماع میں جان بازی کا اقرار کرنے والے اور
 رائے عام کو ہموار کر کے مسلم کی نصرت و بیعت پر آمادہ کرنیوالے بیشک
 سب شیعہ تھے اور انکا کام ہی تھا کہ وہ رائے عام کو مسلم بن عقیل کے موافق
 بنادیں جس میں انکو خاطر خواہ کامیابی ہوئی لیکن آئندہ کے انقلابات کوئی
 دوسری صورت پیدا نہ کرینگے اسکی ذمہ داری انپر عائد نہیں ہو سکتی بیشک انھوں
 نے اپنے اقرار و وفا اور عہد جان بازی پر بہترین طریقہ سے عمل کیا اور جو کہا تھا۔
 اُسے کر دکھایا جسکے مشاہدہ کے لئے مستقبل کا انتظار کرنا چاہیے۔

مسلم بن عقیل کو حالات امید افزا نظر آ رہے ہیں، امام حسینؑ کو خط بھی لکھ دیا ہو کہ کوفہ آب کے ساتھ ہے تشریف لائیے۔ مقامی حکومت کے طرز عمل کو دیکھتے ہوئے انکو اپنی نسبت بھی کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا ہے جسکی بنا پر وہ اپنی حفاظت کے لئے احتیاطی تدابیر عمل میں لائیں۔

کوفہ میں یہ خبر گرم ہے کہ اب بہت جلد ہی حسین بن علیؑ تشریف لانیوالے ہیں اور اس وجہ سے ہر طرف ایک خاص جہل بھل نظر آتی ہے اور حلقہ حلقہ جماعت جماعت لوگ بیٹھ کر اس مسئلہ پر اظہار خیالات کرتے ہیں اور حینین کے ساتھ دیدہ براهین لیکن یہ کسی کونہیں معلوم کہ کوفہ کے اندر ایک جماعت موجود ہے جو ان تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دینے پر آمادہ ہے اور وہ اموی حکومت کے خیر خواہ دوست اور وہ لوگ ہیں کہ جنہیں حسین بن علیؑ کی سلطنت کے بعد اموال خلق پر بیجا تصرفات کا حق باقی نہ رہے گا، انہی کی جانب سے مخفی کارروائی یہ ہوتی کہ نیرید سے حاکم حال کو مغرور کر کے ایک مدبر اور سفاک حاکم کا مطالبہ کیا اور وہ ان قرعہ فال عبید اللہ بن زیاد کے نام پر نکلا، عبید اللہ کوئی اور نہیں وہ زیاد کا بیٹا اور عماریہ کا ایک معنی سے بھتیجا ہے اور یہ خاندان وہ ہے جس پر مکاری و غارتی کا خاتمہ تھا۔

چنانچہ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ابن زیاد نے اپنی نقل و حرکت

کو بالکل صیغہ راز میں رکھتا کہ اُس کا ورود کوفہ میں اچانک حیثیت سے ہو اور پھر راستہ میں جبکہ کوفہ نزدیک رہ گیا اُس نے اپنی وضع میں تیسرے پیدا کر کے ایک سیاہ عمامہ سر پر باندھا اور چہرہ پر اُسی طریقہ سے جو عرب قوم کے بہادر دن میں سخت موقوفوں پر مرسوم ہے ایک ڈھانٹا باندھ لیا جسکی بنا پر شناخت ناممکن ہو گئی۔

ایک مرتبہ شہر پناہ کوفہ کے اندر یہ نقشہ نظر آیا کہ آگے آگے عربی گھوڑے پر ایک رئیس قوم پورے وقار و مہکت کے ساتھ سیاہ عمامہ سر پر باندھے جو اشرف عرب کا امتیازی نشان تھا اور اُس کے پیچھے ایک شاندار قافلہ زین و لجام ساز و سامان سے آراستہ اس حشم و خدم کو دھکیکے اُن توقعات کی بنا پر جو قائم تھیں وہی ہونا چاہیو تھا جو مولیٰ یعنی ہر شخص ہی سمجھتا کہ حسین بن علیؑ تشریف لائے ہیں اور اُس قائم شدہ اثر کی بنا پر جو دنوں میں تھا جس جماعت کی طرف سے عبید اللہ کا گذر ہوتا تھا وہ بنظر تعظیم کھڑے ہو کر آداب بجا لاتے تھے اور "خوش آمدید" کے معنوں میں یہ الفاظ زبان پر جاری ہوتے تھے کہ مرحبا بلکہ یا ابن رسول اللہ قد مت خیر مقدم۔

ابن زیاد کسی کو کچھ جواب نہ دیتا تھا بلکہ آوازوں کو سنتا، چہرہ کو بغور دیکھتا، شکل و شمائل کو بچا مٹا چلا جا رہا تھا یہاں تک کہ مجمع زیادہ ہو گیا اور

لوگ اشتیاق میں گھروں سے نکل آئے اور ہر شخص بخیال خود فرزند رسول
کی زیارت کے تمنائیں آگے بڑھنے لگا اور نسبت یہ پہنچی کہ راہ چلنے میں رکاوٹ
پیدا ہوئی اسوقت مسلم بن عمرو باہلی نے جو ابن زیاد کے ساتھ تھا بکا کر کہا
تاخروا ہذا الامیر عبید اللہ بن زیادؓ راستہ چھوڑو، یہ حسینؑ
نہیں امیر عبد اللہ بن زیاد ہیں۔

نہ معلوم ابن الفاطمین کونسا اثر تھا کہ بڑھتے ہوئے قدم اور اٹھتے ہوئے
ہاتھ اور سرست آمیز ترانے سب موقوف ہو گئے اور سناٹا سا بھاگیا۔ مجمع بھی
ترتر ہوا اور حبوت ابن زیاد دارالامارہ میں پہنچا ہے۔ تو دشمن
آرمیوں سے زیادہ اُسکے ساتھ نہ تھے (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۱۰)

اب ذرا فطری رجحانات پر غور کرتے ہوئے اہل کوفہ کے موجودہ بطنی
اضطرابات کا اندازہ کرو، ایک تو اچانک حادثہ جو غیر متوقع صورت
سے ظہور پذیر ہو وہ خود سنسنی پیدا کر دیا کرتا ہے، اُس پر یہ صورت حال
کہ انھوں نے اپنے ہاتھوں اپنے خلاف جاسوسی کے فرض کو ادا کیا یعنی
اپنے بطنی خیالات و جذبات اور حسین بن علیؑ کے ساتھ خلوص و عقیدت کو خود
ابن زیاد کے سامنے بوقت و درویش کر دیا، اور ابن زیاد نے صاف ایک
ایک کے چہرہ اور آواز کو پہچان رکھا ہے اور پھر ابن زیاد وہ ہے کہ جسکی
اور جس کے باپ کی تلوار کے نیچے بیس برس تک اس تمام خلقت کی گردنیں

اس طرح غم رہی ہیں کہ جس کو جاہ گرفتار کیا اسولی پر شک دیا یا جلا دے ہاتھ سے اسکی رگ گردن کو قطع کر دیا اور ایسے ہیبت ناک مناظر ابھی ہاتھوں سے آنکھوں کے سامنے آچکے ہیں جنکو سوچ کر اب تک رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور دل ہل جاتے ہوئے اور اب وہی صورتیں اپنے اور اپنے اولاد اور اعز و اقارب کے لئے پیش نظر ہیں، کیا یہ وجوہ ایسے نہ تھے جن کی بنا پر دل و دماغ معطل قوائے عمل سلب اور طاقتیں مضحک اور بہتین پست ہو جاتیں اور دلون پر عظیم خوف و ہراس کا غلبہ ہو جاتا عربستان میں اب تک یہ طریقہ موجود ہے اور مجھ کو نہیں معلوم دوسری ممالک میں بھی اسکی نظیر پائی جاتی ہے یا نہیں کہ بڑے شہروں میں ہر محلہ کا ایک مختار محلہ ہوتا ہو جو اس محلہ کی مردم شماری، وارد و صادر، زائیدہ و مردہ شادی شدہ وغیرہ شماری شدہ وغیرہ امیر کے تشریحات کا مقامی حکومت کی طرف سے ذمہ دار ہوتا ہو اور اگر کوئی شخص اس محلہ سے کسی جرم کا مرتکب ہو یا کہیں مفرد ہو اسکی جواب دہی اسلئے عیسائی کی ضمانت بھی اسی سے تعلق رکھتی ہے۔

ایہنا زیادہ - یہی جامع میں ایک تدریدی تقریر کے بد سب سے پہلا جو کام کیا وہ یہ کہ تمام محلات کو فہ کے ذمہ دار اشخاص کو جن سے عرافت یعنی بخاری محلہ کا منصب تعلق رکھتا تھا بلا کر یہ فرمان جاری کیا کہ جلد سے جلد ہر محلہ کی مردم شماری اور جو لوگ نووارد ہیں انکی فہرست اور جن لوگوں سے

حکومت شام کو خطرہ ہے اُنکے نام ادارہ حکومت محلیہ میں پیش کر دیکو جائے
 اور اگر وہ کسی وجہ سے اُن ناموں کے تفصیل دار لکھنے سے معذور ہوں
 تو ضمانت داخل کریں کہ اُنکے محلہ میں سے کوئی شخص بھی حاکم شام کی مفت
 پر آمادہ نہ ہوگا اور اسکے خلاف ظاہر ہو تو اُس مختار محلہ کو خود اُس کے
 گھر کے دروازہ پر سولی دی جائے گی اور اُسکے خاندان سے ہمیشہ کے
 لئے اس منصب کو علیحدہ کر لیا جائیگا۔ (طبری ص ۲۱)

یہ مضبوط تدبیر ایسی نہ تھی جس کی کامیابی مشتبہ ہو، کوفہ کا چیچہ
 جو اسیس و مخبرین کی کثرت سے غیر محفوظ نظر آنے لگا اور مارشل لا کے ایسے
 سخت قانون میں وہ تنہی طاقت نہیں جو اس صورت سے پیدا ہوئی اسلئے
 کہ اب ہر شخص خاص اپنے محلہ میں ایک گھر سے دوسرے گھر جاتے دڑتا
 جھجکتا اور اپنی جان کے خطرہ کا احساس کرتا تھا اور اس طرح اس آدمیوں
 بانچ آدمیوں کا بھی ایک جگہ جمع ہو کر کسی امر پر گفتگو کرنا اور کوئی فتراء ادا
 طے کرنا ناممکن ہو گیا۔

اس صورت حال کے بعد کوفہ کی رائے عام کا منقلب ہو جانا کوئی عجیب
 امر نہ تھا جبکہ اس اٹھارہ ہزار کی جمعیت میں جنہوں نے بیعت کی تھی سب
 کے اندر کوئی مذہبی روح بھی کارفرما نہ تھی جو انکو سخت موقع کے لئے اپنی
 جان کو خطرات میں ڈالنے پر استقلال سے آمادہ رکھتی بلکہ اُس جم غفیر کے

اتفاق و اجتماع کی نوعیت وہی تھی جس کے اسباب کو کچھ ہی پہلے
ہم یہ ناظرین کیا جا چکا ہے۔

یہ پہلا وقت تھا کہ مسلم بن عقیل کو اپنی جان کے خطرہ کا اندازہ اور
مقصد کی پامالی کا احساس ہوا، اب انکا صرف ایک فرض رہ گیا تھا کہ
وہ حفاظت خود اختیاری کے اصول پر جان تک مقدور ہو اپنے تحفظ
کے لئے احتیاطی تدابیر عمل میں لائیں، اسکے لئے انھیں مختار بن ابوعبیدہ
کا مکان جس میں وہ اب تک مقیم تھے غیر محفوظ نظر آیا اس لئے کہ انکا قیام
وہاں مشہور ہو چکا تھا اور پھر اگر کوئی وقت آئے تو وہاں ان کی حمایت
کرنے والا بھی کوئی نہ ہوتا، مختار بن ابوعبیدہ شریف قوم سہی لیکن صرف
ایک زمیندار کی حیثیت رکھتے تھے کسی بڑے قبیلہ کے سردار نہ تھے اور
پھر وہ خود آنے والے واقعات سے بخبری کی حالت میں چند روز سے اپنے
موضع پر گئے ہوئے تھے۔ (طبری جلد ۵، ص ۵۵)

لہذا مسلم نے اپنے لئے اس سے بہتر کوئی صورت نہ دیکھی کہ وہ غیر معلوم
طریقہ پر ہاتی بن عروہ کے گھر میں منتقل ہو جائیں اور ہاتی کی تائید حاصل
کر لینا مسلم کے لئے کوئی معمولی امر نہ تھا اس لئے کہ یہ قبیلہ مراد وندج
کے سردار تھے اور جب نکلتے تھے تو بارہ ہزار آہن پوش سوار ہمارا
رکاب چلتے نظر آتے تھے۔

مسلم نے ہانی کے گھر میں پناہ لے کر ظاہری اسباب کی بنا پر اپنے پیکیں بارہ ہزار شمشیر زن بہادروں کی آغوش میں ڈال دیا ہے کہ جو ان کے حفظ جان و آبرو کی بہترین ضمانت ہو سکتی ہے۔

ہانی نے مسلم کو مخفی طور پر اپنے یہاں رکھا اور سوائے مخصوص افراد کے جو محل اعتماد تھے کسی کو اس راز کی اطلاع نہ تھی۔ افراد مشیعہ کو جو اس تحریک کے ہانی تھے اپنی ناکامیابی کا بھی ایک منظر سامنے نظر آ گیا تھا لیکن وہ مستقل مزاجی کے ساتھ ایسے تدابیر میں مصروف تھے جن کی صورت حال کی اصلاح ہو سکے چنانچہ مسلم بن عوسجہ اسدی حضرت مسلم کے معتمد خاص اور وکیل عام تھے کہ وہ آپ کی جانب سے مخفی طور پر لوگوں کی ہمدردی حاصل کریں امداد ان سے امام حسینؑ کی بیعت لین اور ابوشامہ صائدی امانت دار بنو النبی کی حیثیت رکھتے تھے کہ جو کچھ اموال جمع ہوں ان کو اپنی تحویل میں رکھ کر اپنی صوابدید سے سلاح جنگ وغیرہ خرید کریں۔

مقتل نے جو ابن زیاد کا غلام تھا ایک شیطانی مکر و زور کے ساتھ اظہار تشیع کر کے مسلم بن عوسجہ سے حضرت مسلم کے جائے قیام کا پتہ لگایا اور ابن زیاد کے پاس سراغ رسانی کی جس بنا پر ابن زیاد نے ہانی بن عروہ کے پاس ملاقات کا پیغام بھیجا۔

ہانی کو ان تحفظات پر جو انھوں نے مسلم بن عقیل کے انھار میں
 کر لی تھیں کامل اعتماد تھا اور اسی غرور کا نتیجہ تھا کہ ابن زیاد کے دعوتی
 پیغام پر ان کے دل میں کسی قسم کا خطرہ نہ گذر اور نہ انھوں نے اس موقع پر
 اپنے بارہ ہزار جوانوں میں سے کسی ایک کو بھی واقعہ سے اطلاع دینے کی
 ضرورت محسوس کی بلکہ خود تنہا ابن زیاد کے پاس چلے گئے راز منکشف
 تھا اور واقعہ سے انکار بے سود اور اقرار کے بعد اپنے مہمان کو حوالہ کر دینے
 سے انکار مشعل کن، آخر بوڑھے لیکن بات کے پکے ہانی کا سر دھچک رہا
 خون میں رنگین نظر آیا اور ابن زیاد کے حکم سے وہ قید خانہ بھیج دیے گئے
 سردار بنی زبیدہ عمرو بن الحجاج ہانی بن عروہ کا برادر نسبتی تھا
 اسے اطلاع ہوئی کہ ہانی قتل کر ڈالے گئے تو وہ مذہج کے بہت سے
 اندہ پوش سوار لیس کر دارالامارہ پر چڑھ دوڑا اور تلوار دن کی جھنکار
 اگھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز نے ہانی کے دل میں راہی کے توقعات پیدا
 کر دیئے لیکن انھوں نے شریح قاضی کی فہمائش اور اس کہنے سے کہ
 ہانی قتل نہیں ہوئے ہیں بلکہ بعض مصالح سے ایک محدود زمانہ تک نظر بند
 کر دیئے گئے ہیں وہ سب مطمئن ہو کر واپس گئے۔

حضرت مسلم کے لئے یہ موقع بہت سخت تھا، انکا پناہ دینے والا
 وفادار اور مستقل مزاج ہمارا ہانی بن عروہ ان کی وجہ سے زرد کو ب

کی توہین آمیز تکلیف برداشت کر کے دشمن کے قید خانہ میں ہے اور
مسلم کے گرد گھرمین خاندان مراد کی عورتیں "یا عثرتا ہ یا ثکلاہ"
کہہ کر نالہ و شیون کر رہی ہیں۔

کیا اب بھی مسلم بن عقیل چھپے ہوئے بیٹھے رہتے یا اس خون سے کہ
یہاں میرا قیام معلوم ہو گیا ہے کسی دوسرے قابل اعتماد شخص کے یہاں
جا کر چھپی ہو جاتے؟ لاوالہ! غیرت نبی ہاشم کا یہ تقاضا نہ تھا، انھوں نے
یہ طے کر لیا کہ ہانی نہیں تو پھر میں بھی نہیں۔

طبری نے صاف طور پر تصریح کی ہے کہ لمذین خروجہ یوم خرج
علی میعاد من اصحابہ انما خرج حین قیل لہ ان ہانی بن عروہ
المرادی قد ضرب و حبس "مسلم کا جنگ کے لئے نکلنا اپنے
ساتھیوں کی اطلاع کے بغیر تھا اور کوئی قرار دیا اس دن کے متعلق
نہ ہوئی تھی، وہ تو ایک مرتبہ اس وقت کھڑے ہو گئے جب ان کو
معلوم ہوا کہ ہانی بن عروہ مرادی کو زود کو بکے بعد قید کیا گیا ہے۔
(طبری جلد ۵، ص ۵۸)

واقعہ کی ناگہانی حیثیت کو دیکھتے ہوئے اب یہ توقع تو کی ہی نہیں
جاسکتی کہ وہ ۸ ہزار جمعیت کرنے والے سب ایک دم میں مسلم کے گرد
جمع ہو جاتے اور جنگ میں ان کے ساتھ شرکت کرتے اور پھر جب کہ

کوفہ کے محلہ بھی ایک دوسرے کے متصل نہیں بلکہ کافی فاصلہ رکھتے تھے۔ ہاں یہ محلہ کہ جس میں مسلم کا قیام تھا کافی وسعت رکھتا تھا اور اسی کے اطراف میں مسلم کے گرد اگر دو چار ہزار آدمی موجود تھے اور مسلم کی طرف سے جرنی "یا منصور امت" کا نعرہ بلند کیا گیا جو پہلے سے قرار داد کے مطابق انکا شعار یعنی امتیازی نعرہ جنگ تھا تو اس وقت شرمشرمی وہ چار ہزار آدمی مسلم کے پاس جمع ہو گئے لیکن اس محد و دو وقت میں جبکہ جنگ کے پہلے سے کچھ آثار نہ تھے وہ شاہی منظم فوج سے کہاں تک مقابلہ کے لئے تیار کر سکے ہونگے اسکا فیصلہ ناظرین کی رائے پر ہے۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ ابھی مسلم قصر دار الامارہ تک پہنچنے نہ پائے تھے کہ وہ لوگ واپس جانا شروع ہو گئے اور پہنچتے پہنچتے صرف تین سو رہ گئے لیکن ابن زیاد اس خیال سے کہ مسلم کے ساتھ کوئی بڑی جمعیت ہے قصر کے اندر قلعہ بند ہو گیا اور مسلم نے نبی مراد کی ایک جاہت کو لئے ہوئے قصر کا محاصرہ کر لیا، رفتہ رفتہ دوسرے لوگ بھی آتے گئے یہاں تک کہ مسلم کے پاس کافی اجتماع ہو گیا اور نظر سے شام تک برابر زور و خور ہوتی رہی۔

موجودہ جمعیت کہ جو مسلم کے ساتھ محاصرہ میں شریک ہے

درحقیقت مختلف قبائل کے مخلوط مجموعہ کا نام ہے اور قبائل کی سوج
شیوخ و اشراف قبائل ہیں کہ جو ہمارے سابقہ بیانات کے مطابق
حکومت وقت کے ہوا خواہ اور پابند فرمان ہیں اور ابن زیاد نے
بروقت پیش بندی یہ کی ہے کہ آج صبح سے شیوخ و اشراف کو بلا کر
اپنے پاس زیر حراست رکھ لیا ہے کہ ان سے حسب موقع کام نکالا جاوے
اب ابن زیاد نے پہلی تدبیر تو یہ کی کہ شہر کی ناک بندی کرادی یعنی
چار راہوں اور عام راستوں پر پھرے بٹھلا دیئے کہ کوئی مسلم کی مدد کو
نہ آ سکے اور صورت واقعہ کی بناء پر یہ امر لازمی تھا کہ مسلم کی مدد کو
آنے والے مجمع حیثیت سے کسی لشکر کے ساتھ نہ آتے بلکہ اتکا دکان جکو
خبر ہوتی جاتی وہ تنہا یا اپنے بھائی بندوں کی معیت میں مسلم کے ساتھ
شرکت کے لئے آتا اور وہ فوراً گرفتار کر لیا جاتا۔ چنانچہ عبداللہ بن زید
کلبی اپنے گھرانے کے کچھ نوجوانوں کو ساتھ لئے ہوئے آ رہا تھا جس کو کثیر بن
شہاب نے گرفتار کیا اور محمد بنی عمارہ کی طرف سے عمارہ بن صخب ازدی
نے ہتھیار جسم پر آراستہ کر کے چاہا تھا کہ مسلم کے پاس آئیں لیکن محمد بن
نے گرفتار کر لیا۔ یہ دونوں جاناہز مسلم و ہابی کی شہادت کے بعد پسر زیاد کے حکم
سے قتل کر ڈالے گئے۔

(طبری جلد ۶ ص ۲۰۶)

اس طرح مسلم سے مختلف اطراف و جوانب کی مدد قطع ہو گئی۔ دوسری

جانب اشرف قبائل مامور ہوئے کہ وہ سطح دار الامارہ پر جا کر اپنے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو پکار کر حکومت شام کی جانب سے مخوف و تہدید کرین اور مسلم کی شرکت سے علیحدہ ہونے پر مامور کرین چنانچہ ان لوگوں نے ہمدردانہ لہجہ میں قسین کھا کھا کر اپنے اپنے قبیلہ والوں کو یقین دلایا کہ عنقریب مرکزی حکومت شام کی جانب سے عظیم الشان فوجیں آنیوالی ہیں جس کے بعد تمہارا جان و مال و اولاد سب تلف ہو جائیگا۔

دشمن سے فوجیں آنے کی خبر ایسی نہ تھی جو منظر اب پیدا نہ کرے، اس خبر سے ایک عام دہشت پیدا ہو گئی۔ حالت یہ تھی کہ

ان المرأة كانت تاتي ابناها واخاها فتقول انصرف
الناس يلفونك ويحيي الرجل الى ابنك واخيه فيقول
عذايأيتك اهل الشام فما تصنع بالحب والشر انصرف
فيذهب به

”عورتیں اپنے باپ بھائی کے پاس آتی اور کہتی تھیں کہ چل دو! پس
چل دوسرے لوگ کافی ہین اور باپ یا بھائی اپنے بیٹے بھائی کے پاس
آ کر کہتا تھا کہ کل دشمن سے لشکر آجائے گا پھر تو کیا کریگا۔ چل لڑائی
سے کنارہ کشی کر اور مجبور کر کے اُسے اپنے ساتھ واپس لیجاتا تھا۔

(طبری ص ۲۰۸)

نتیجہ یہ ہے کہ مسلم تنہا رہ گئے اور آخر ایک خون ریز صفت آرائی کے بعد درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

اب شہر میں خون و دہشت کی کامل غلدارمی اور رعب و ہیبت کا بلند اور دور دورہ تھا لوگ گھروں سے نکلنا خطرناک سمجھتے تھے اور اس لئے چاروں طرف سناٹا اور ہوکا عالم تھا اور ایک کو ایک کی خبر نہ تھی۔

انتہا ہے کہ وہی ہمتی بن عودہ جن کے ہمراہ رکاب ۱۲ ہزار مسلح سوار ہوتے تھے اور جن کے قتل کی غلط خبر سننے پر دارالامارہ کھنچی ہوئی تلواروں کے حلقہ میں آگیا تھا آج مشکین کسے ہوئے بازار میں لائے جا رہے ہیں اور وہ بکا رہے ہیں کہ واما مذحجہ واما مذحجہ لی الیوم واما مذحجہ واما مذحجہ ایہ منی مذحجہ الکمان بن میرے قبیلہ والے بہادر نبی مذحجہ، ہائے افسوس کچھ میرے یوم مذحجہ نظر نہیں آتے، لیکن کوئی ایک منہفص بھی انکی طرف رخ کرتے دکھلائی نہیں دیتا یہاں تک کہ ابن زیاد کا غلام ترکی اپنی تلوار سے انکے سروتن میں جدائی کر دیتا ہو۔

یہی عبرت خیز مناظر وہ ہیں جو دنیا کی ہر حقیقت کو مجاز اور وقعت کو اعتبار قرار دینے کا تخیل بیدا کر دیتے ہیں اور جاہ و ثروت یا قوم و قبیلہ کی کثرت پر اعتماد کو غلط سمجھنے پر مجبور کرتے ہیں۔

شیعیان اہلبیت اور حسین بن علیؑ کے ہمدرد جو مٹھی بھر سے زیادہ

نہ تھے اس وقت عجب عالم میں تھے، انکو چھپنے کے لئے گوشون کی تلاش تھی جنکا ملنا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ ابن زیاد کو معلوم تھا کہ عنقریب حسین بن علی تشریف لانے والے ہیں اور اگرچہ بہتیں پست ہو چکی ہیں لیکن ان کے آنے سے کہیں پھر انقلاب پیدا نہ ہو جائے لہذا اس نے تلاش کر کے جن جن اشخاص سے اندیشہ ہو سکتا تھا انھیں قید کرنا شروع کیا جنانچہ مختار بن ابوعبیدہ ثقفی جو مسلم کے خریج کے موقع پر کوفہ میں موجود نہ تھے اور اسی دن اطلاع پا کر آئے لیکن ایسے وقت پہنچے کہ مسلم کی جنگ ختم ہو چکی تھی اور عمرو بن حرث نے رایت امان بلند کیا تھا کہ جو شخص اس کے نیچے چلا آئے اس کا جان و مال محفوظ ہے لیکن مختار کو امان نہ مل سکی اور وہ پابزنجیر کر دیئے گئے اور اسی طرح عبداللہ بن حارث بن نوفل اور دیگر اشخاص،

ادھر حاکم اعلیٰ یزید نے بھی مسلم بن عقیل کے قتل کی خبر معلوم ہونے کے بعد ابن زیاد کو حسین بن علی کے قصد عراق پر مخصوص طور سے توجہ دلاتے ہوئے کہا۔

انہ قد بلغنی ان الحسین بن علی قد توجهوا العراق
فضیع المناظر والمسالح واحترس علی الظن وخذ علی التہمة
”مجھ کو خبر معلوم ہوئی ہے کہ حسین بن علی عراق کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں“

اب تم ہوشیاری کے ساتھ جاسوس مقرر کرو اور شکر بنائو اور وہم و گمان بھی خطرہ کا ہو تو اس سے تحفظ کرو اور ہنگامی جس پر ہو اسے فوراً گرفتار کر لو۔
(طبری ص ۲۱۵)

اب کیا تھا، قید و بند کا سلسلہ جاری ہو گیا اور جلیجی نے قیدیوں سے جھٹکنے لگے۔ اس سیاست کی نوعیت کا اندازہ ابن زیاد کی اس تقریر میں جو نیرید کی ہلاکت کے موقع پر اس نے کی ہے اس فقرہ سے ہوتا ہو۔

وما ترککم ذائنة اخافہ علیکم الا وھونی سبحنکم کوئی ایسا شخص نہیں جس پر گمان بھی ہو سکتا تھا کہ وہ حکومت کی مخالفت کرے گا مگر یہ کہ وہ قید خانہ کے اندر ہے۔
(طبری جلد ۱ ص ۱۸۰)

نیر اس گفتگو سے جو اس موقع پر جبکہ وہ بند ہلاکت نیرید بصرہ سے فرار ہو کر دمشق جا رہا تھا راستہ میں یساف بن شریح یشکری سے کی ہے حسین اس نے کہا کہ انت اقول لیتنی کنت اخرجت اهل السجین فضریت اعنہم میں ابھی اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ کاش میں نے ان لوگوں کو جو قید خانہ میں بند تھے نکال کر گردن زدنی کا حکم دیدیا ہوتا۔ (اس لئے کہ وہی لوگ بعد میں انقلابات کا سبب ہوئے)۔
(جلد ۲ ص ۱۸۰)

اس صورت سے حکومت کی طرف سے شہر کے داخلی حالات پر پورا قابو حاصل کر لیا گیا جس کے بعد کسی تنفس میں اتنی طاقت نہ رہی کہ وہ مخالفت

کا نام بھی زبان پڑا ہے۔ اب اُس کی توجہ خارج کی طرف ہوئی کہ کہیں بصرہ و مدائن اور دیگر اطراف کے لوگ کہ جہاں شیعہ کافی تعداد میں ہیں اگر کوئی دراندازی نہ کریں، نیز حسین بن علیؑ کہ جبکا آنا قریبی زمانہ میں یقینی ہو انکے ساتھ کسی ساز باز کے لئے کوئی جماعت باہر نہ جانے پائے۔

اس کے لئے حدود کی ناکہ بندی ہوئی اور قادیسیہ میں جو حجاز و عراق و شام کے خطوط سیر کا محل اجتماع تھا کئی ہزار سواروں کے ساتھ حصین بن تمیم کو مقرر کیا گیا جو اب تک کو تو ال شہر کی حیثیت رکھتا تھا اور اقصہ سے لیکر قطیف طائیف، بلع، اور تحقان اور اطراف و جوانب میں جو شام اور بصرہ کے راستے تھے اُن سب میں لشکر پھیلا دیا گیا یہاں تک کہ نہ کوئی شخص آسکتا تھا اور نہ باہر جاسکتا تھا چنانچہ قیس بن مسہر مہدی اوی اور عبداللہ بن یقطر جو امام حسینؑ کے فرستادہ اہل کوفہ کے نام خط لیا رہے تھے وہ اسی قادیسیہ میں پہونچ کر حصین کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور خود حضرت سید الشہداء و جب ان حدود میں پہونچے اور صحرائی عربوں سے حالات کو دریافت کیا تو انھوں نے کہا لا واللہ ما ندی غیر انما لا نستطیع ان نلج ولا نخرج خدا کی قسم ہمیں اور کچھ نہیں معلوم لیکن آنا ہے کہ ہم نہ اندر جاسکتے ہیں اور نہ باہر نکل سکتے ہیں۔

حربن زید ریاحی جو ایک ہزار کے لشکر سے امام حسینؑ کا سد راہ ہوا تھا وہ بھی اسی فوج میں سے تھا کہ جو قادیسیہ میں حصین کی سرکردگی میں تھے

یہ سب اسی لئے تھا کہ کوئی امام حسینؑ کی مدد کے لئے کوفہ سے نہ آ سکے یہاں تک کہ طراح بن عدی اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ جب کوفہ سے غیر معروف راستہ سے آکر امام حسینؑ کے ساتھ ملحق ہوئے ہیں اسوقت حر نے آکر حضرت سے کہا کہ "یہ لوگ جو اہل کوفہ میں سے ہیں آپ کے ساتھ مکہ سے نہیں آئے ہیں لہذا میں انکو گرفتار کرنا ہوں یا کوفہ واپس جانے پر مجبور" یہ سن کر حضرت کے اس فرمان پر کہ "اب جبکہ یہ میرے پاس پہنچ گئے ہیں تو میرے ہی اصحاب و انصار میں داخل ہیں اور اب انکی حفاظت مجھ پر فرض ہے، لہذا ناممکن ہے کہ میں ان کو تمہارے سپرد کر دوں" اسکو ساکت ہونا پڑا۔
(طبری جلد ۶ ص ۳۳)

اس موقع پر کہ جب امام حسینؑ کر بلا میں پہنچ چکے تھے خود ابن زیاد نے کوفہ سے نکل کر خلیہ میں اپنا مرکز قرار دے لیا تھا اور وہی افواج کا معائنہ ہوتا تھا اور انھیں قریب دیکر کر بلا روانہ کیا جاتا تھا۔

(تصدیق کے لئے دیکھو طبری جلد ۷ ص ۴۴)

وہ لوگ جو ابن زیاد کی طرف سے روانہ کئے جاتے تھے ان میں سے بعض امام حسینؑ سے جنگ کو ناپسند کرتے ہوئے لشکر سے ہٹ کر کوفہ واپس جاتے تھے جس کے لئے ابن زیاد نے سوید بن عبدالرحمن منقریؓ کو کچھ سواروں کے ساتھ کوفہ روانہ کیا کہ جو ایسا شخص وہاں ملے اس کو گرفتار کر کے روانہ

کیا جائے، سوید نے ایک شخص کو اہل شام میں سے جو کوفہ کسی اپنے ذاتی معاملہ کے لئے آیا تھا گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس بھیجا اور اس نے ہیبت قائم کرنے کے لئے اُس کو قتل کرا دیا جس کے بعد وہ تمام لوگ جو ٹھہر گئے تھے ٹھکر کر بلا روانہ ہو گئے۔ (الاجبار الطول ص ۲۵۲)

ان اہتمامات سے صریحی طور پر چند نتیجہ مرتب ہوتے ہیں۔
(۱) کوفہ کی جماعت شیعہ میں جو حسین کی بہادر دہو سکتی تھی۔ اور جو کونصرت کا خیال ہو سکتا تھا ایک کثیر تعداد پانہ بخیہ کر لی گئی تھی اور اس طرح نہ معلوم کتنے باہمت اور پر جگر اشخاص ہو گئے جو اگر باہر ہوتے تو اپنی جان حسین پر سے نثار کرتے لیکن اس موقع پر وہ تاریک و تاریک زندان میں مقید تھے۔

(۲) حدود کی ناکہ بندی اور راستوں کے انسداد نے کوفہ کے رہے سے اشخاص کے لئے جن میں جذبہ نصرت حسین ہو سکتا تھا حضرت تک پہنچنے کو دشوار سے دشوار بنا دیا تھا اور اگر وہ آنے کا قصد کرتے بھی تو یقیناً سخیلہ میں کہ جو بالکل کوفہ کے نکلے پر کر بلا کے رستہ میں تھا گرفتار کر لئے جاتے یا آگے بڑھ کر قادیسیہ و فخلن و قطقطنہ و لعلع وغیرہ کی منزل پر وہ دستگیر ہو جاتے۔

(۳) ابن زیاد کی طرف سے یہ اہتمام تھا کہ کوئی جنگ آزمائہ شخص کوفہ میں ایسا باقی نہ رہ جائے جو حسین کی جنگ کے لئے نہ نکلے اور اس طرح ان افراد

کے لئے جو حسین کے مقابلہ سے نفرت کرتے تھے اس جرم سے حفاظت بھی اہل جان و مال کی ضمانت بن گئی تھی۔

لیکن باوجود ان دشواریوں کے ان ہمت شکن مشکلات کے ان طاقتور با مصائب کے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ افراد شیعہ جو حسینی دعوت کے بانی مبلغ اور اس تحریک کے داعی و مروج تھے جنہوں نے وفاداری کا اقرار اور جانہازی کا عہد کیا تھا وہ کسی نہ کسی طرح حسینؑ میں علیؑ تک پہنچ گئے اور اپنی جانیں ان کے قدموں پر نثار کر دیں۔

یاد کرو وہ وقت کہ جب مسلم بن عقیل نے امام حسینؑ کا خط پڑھ کر سنایا تھا تو کون لوگ تھے اس وقت تقریر کر کے عہد نصرت و فداکاری کرنے والے؟ بیشک وہ تین آدمی تھے عابس بن ابی شیبہ شاکری حبیب بن مظاهر سعید بن عبد اللہ خفیی۔

کون تھا مسلم بن عقیل کا وکیل و نائب اور سازداری کے ساتھ حسینؑ کی بیعت لینے والا؟ یقیناً وہ مسلم بن عوسجہ اسدی تھے۔

کون تھا مسلم کے ادارہ اسلحہ کا منظم اور جمع اموال کا مہتمم و معتمد؟ بلاشبہ وہ صرف ابو شامہ صیداوی تھے۔

پھر کیا وہ لوگ نہیں ہیں جنہوں نے ثبات قدم و استقلال کے ساتھ آخر نفس تک حسینؑ کا ساتھ دیا؟ چھوڑا اور آخر انکی لاشیں حسینؑ کے قدموں پر

خاک و غون میں ترپتی ہوئی نظر آئیں۔

ان کے علاوہ بھی حسینی جماعت میں زیادہ تر کوفہ کے شیعہ تھے جیسے
بریر بن خضیر حافظ قرآن مجید جنکو دیکھ کر لشکر عمر سعد میں کہا گیا تھا ان ہذا
بریر بن خضیر القاری الذی کان یقرأنا القرآن فی المسجد
”یہ تو وہی بریر بن خضیر ہیں جو ہم کو مسجد میں بیٹھ کر قرآن کی تعلیم
دیا کرتے تھے“ (طبری جلد ۶ ص ۲۴۷)

اور انس بن حارث اسدی صحابی رسول جنکا تذکرہ ابن اثیر جزری
نے اسد الغابہ میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں کیا ہے، ابن
اثیر کا قول ہے کہ۔

عداده فی الکوفین دکان جاء الی الحسین ع عند نزوله
فی کربلاء ولتقی مع لیلایمین ادرکتہ السعادة۔

”اٹکا شمار اہل کوفہ میں ہو اور یہ امام حسینؑ کی خدمت میں پہونچے تھے
اُس وقت جب آپؐ کربلا میں اتر چکے تھے اور شب کے وقت حضرت کے پاس
پہونچے اُن لوگوں کے ذیل میں جنکے بخت نے باوری کی تھی۔

اور نافع بن ہلال جلی جو کوفہ کے قبیلہ مذحج سے تھے اور خطلہ بن سعد
شبامی اور زید بن زیاد بن مہاصر ابو الشغائر کندی اور مجمع بن عبد اللہ
عائذی اور عائذ بن مجمع اور عمر بن خالد صیداوی اور خیارہ بن حارث

سلمانؓ اور سوید بن عمرو بن ابی المطاع خثعمی اور موقع بن ثامہ اسدی
 صیداوی اور سیف بن حارث بن سریع ہمدانی اور مالک بن عبد اللہ
 بن سریع اور سوار بن شعم ہمدانی اور عمر بن قزظہ انصاری اور نعیم بن
 عجلان انصاری اور عبد اللہ بن بشر خثعمی اور حارث بن امرأ القیس
 کنذی اور بشر بن عمر کنذی اور عبد اللہ بن عروہ و عبد الرحمن بن عروہ
 غفاریؓ اور عبد اللہ بن عمیر کلبی اور سالم بن عمرو کلبی اور سلم بن کثیر
 ازدی اور رافع بن عبد اللہ ازدی اور قاسم بن حبیب ازدی
 اور زہیر بن مسلم ازدی اور نعمان بن عمرو و حلاس بن عمرو و زید بن
 اور مسعود بن حجاج تیمی اور بکر بن حی تیمی اور جوین بن مالک تیمی اور
 عمر بن ضبیعہ تیمی اور جباب بن عامر تیمی اور امیہ بن سعد طائی اور ضرغام
 بن مالک تغلبی اور کانہ بن عقیق تغلبی اور قاسط بن زہیر و کردوس بن
 زہیر و قسطنطین زہیریؓ اور جبلیہ بن علی شیبانی وغیرہ

یہ تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جان پر کھیل کر عہدِ وفا کو پورا کرنے
 کے لئے اپنے تئیں کسی نہ کسی طرح حسینؑ کے قدموں تک پہنچا دیے لیکن جو لوگ شیعی
 جماعت میں سے حسینؑ بن علیؑ کی نصرت کے لئے نہ پہنچے یا نہ پہنچ سکے
 ان میں سے بھی کسی متنفس کا حسینؑ کے مقابلہ میں کربلا میں موجود ہونا پانہیں
 جاتا بلکہ تاریخی نصوص و شواہد متفقہ طور پر ان کو قاتلانِ امام حسینؑ سے علیحدہ

بتلا رہے ہیں۔ امام محمد بن جریر طبری کا بیان ہے۔

لما قتل الحسين بن علي ورجع ابن زياد من معسكره بالخيـ
لدخل الكوفة تلاقت الشيعة بالتلاوم والتندم ورأت
انها قد اخطأت خطأ كبير ابدعاهم الحسين الى النصرة
وتركهم اجابته وقتله الى جانبهم لم ينصروه وراوا انه
لا يغسل عارهم ولا اثم عنهم في مقتله الا يقتل من قتله
او يقتل فيه۔

"جب حسین بن علی قتل ہو گئے اور ابن زیاد اپنے لشکر گاہ سے جو
خیلہ میں قرار دیا گیا تھا وہاں جا کر کوفہ میں داخل ہوا تو شیعوں نے
ایک دوسرے سے ملاقات کر کے ایک دوسرے پر ملامت اور اپنی کمزوری
پر مذمت کا اظہار شروع کیا اور وہ سمجھے کہ ہم سے بڑا جرم ہوا کہ ہم نے حسین
کو نصرت کے وعدہ پر دعوت دی پھر جب وہ آئے تو ہم انکی نصرت کو نہ کئے
اور وہ ہمارے بڑوس میں قتل کر ڈالے گئے اور ہم نے کچھ انکی مدد نہ کی اور
انھوں نے دیکھا کہ یہ عار و ننگ ہم سے دور نہیں ہو سکتا۔ مگر اس طرح
کہ ہم ان لوگوں کو جو ان کے قتل میں غریک ہوئے ہیں قتل کریں یا خود اس
سلسلہ میں اپنی جانیں نثار کر دیں۔

(طبری جلد ۷، ص ۴۴)

کیا اس عبارت سے صاف طور پر ظاہر نہیں ہوتا کہ شیعہ جماعت قاتلانہ
امام حسینؑ کی جماعت سے جدا گانہ تھی اور پہلی جماعت پر جوازِ ام ہے وہ یہ
کہ انھوں نے مدونین کی اور دوسری جماعت وہ ہے جس کے قتل کو
وہ اپنے جرم کا کفارہ سمجھتے ہیں۔

پھر سلیمان بن مردخزاعی کے مکان پر اجتماع ہوا اور اس موقع پر
مسیب بن نجبه نے جو تقریر کی ہے وہ یہ ہے کہ "ہم بہت اپنی صداقت پر
ناز رکھتے تھے اور اپنی جماعت شیعہ کی مدح و ثنا کیا کرتے تھے لیکن خدا نے
ہمارا امتحان لیا اسوقت معلوم ہوا کہ ہمارے دعوے غلط ہیں۔ ہم نے
حسینؑ کو دعوت دی، اُنکے پاس پیغام بھیجے کہ آئیے ہم مدد کرینگے لیکن
جب وہ آئے تو ہم نے اپنی جاذب کو چھپایا یہاں تک کہ وہ ہمارے پڑوس
میں قتل ہو گئے، نہ ہم نے اپنے ہاتھوں سے اُنکی نصرت کی اور نہ اپنی
زبان سے اُنکی حمایت کی اور نہ اموال سے اُنکو تقویت پہنچائی اور نہ اپنے
اپنے قبیلہ کو اُنکی نصرت پر آمادہ کیا اب خدا اور رسول کو کیا جواب دیں گے
جبکہ ہمارے ملک میں فرزندِ رسول قتل کر ڈالا گیا۔ بیشک ہمارا کوئی عذر
سننے کے قابل نہیں لیکن اب یہ موقع ہے کہ اُن کے قاتل کو اور جن
لوگوں نے اُن کے قتل میں شرکت کی ہے اُنھیں قتل کریں یا اسی سلسلہ میں
اپنی جانیں نثار کر دیں۔ (ص ۴۸)

یہ بھی صریح طور پر اس کی دلیل ہے کہ قاتلان حسین یا قتل حسین
میں شرکت کرنیوالی جماعت جماعت مشیہ سے کوئی تعلق نہ رکھتی تھی۔
اس کے بعد جبکہ سلیمان بن مہر اس جماعت کے قائد اعظم کی
حیثیت سے منتخب ہو گئے تو انھوں نے جو تقریر کی ہے اور جس کو وہ
برابر ہر جمعہ میں دہرایا کرتے تھے اس کا مختصر اقتباس یہ ہے کہ

اناکنا نمد اعناقنا الی قدوم ال بنینا و نمینہم النصر و تخمہم
علی القدوم فلما قدموا وینا و عجزنا و ادھنا و تربصنا و انتظرنا
ما یکون حتی قل فیما ولدینا و لدیننا و سلالتنا و عصارتنا و
بضعتنا من لحمہ و دمه اذ یستصرخ و یسأل النصف فلا
یعطاه اتخذہ الفاسقون غرضا للنبیل و دریۃ للرماح
حتی اقصا و ۵۰

ہم لوگ گردنیں اٹھا اٹھا کر اشتیاق کے ساتھ اہلبیت رسول کی
تشریف آوری کے منتظر تھے اور انکو نصرت کی امیدیں دلاتے تھے اور
آنے پر آمادہ کرتے تھے لیکن جب وہ آئے تو ہم نے کمزوری کی اور عاجز
رہے اور سستی کو کام میں لائے اور منتظر رہے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے یہاں تک
کہ ہمارے ملک میں اور ہمارے قریب ہی فرزند رسول قتل کر ڈالے گئے
جبکہ وہ فریاد کر رہے تھے لیکن کوئی انصاف سے کام نہ لیتا تھا قاتلین

کی جماعت نے اُن کو اپنے تیرون کا نشانہ اور تیرون کا مشرق بنالیا یہاں تک کہ انہیں شہید کر ڈالا (صفحہ ۴۹)

اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ یہ لوگ کوفہ ہی میں رہ گئے تھے اور قتل حسینؑ میں شرکت کر نیوالی جماعت فاسقین الہ سے جدا گانہ ہے۔

بہرہ موقع کہ جب یزید ہلاک ہوا اور سلیمان بن مرہ کے پاس شیعی جماعت کے بہت سے افراد نے آکر کہا کہ اس وقت حکومت کے ارکان میں زل ہے یہی موقع ہے کہ ہم انتقام کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور اُن کے قانون کو جن جن کو قتل کریں اس وقت سلیمان نے جو تقریر کی وہ یہ ہے۔

انی قد نظرت فیما تذکرون فرایت ان قتلہ الحسین ہم اشرف اہل الکوفۃ و فرسان العرب و ہم المطالبون بدمہ و متی علموا مات یدین و علموا انھم المطالبون کا نواشد علیکم و نظرت فیم تبغی معکم فعلت انھم لوخرجوا لم یدرکوا انارھم ولم یشفوا انفسھم ولم یسکوا فی عدوھم وکانوا لھم جزا و لکن یشاؤا عاتکم فی المصر الخ

"میں نے اس معاملہ میں غور کیا تو یہ دیکھا کہ قاتلان حسینؑ کوفہ کے سربراہ اور اشخاص و شیوخ و اشرف قبائل ہیں اور اُنہی کے اوپر حسینؑ کے قتل کی ذمہ داری عائد ہوتی ہو اور جب انھیں تم لوگوں کا ارادہ کی خبر ہوگی اور یہ معلوم ہوگا کہ اس کا اثر اُس پر بیگا تو وہ سختی سے تمھاری مخالفت پر آمادہ ہو جائیگے اور میں نے اندازہ

کیا ان لوگوں کا جو میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہیں تو معلوم ہو کہ وہ اتنی تعداد میں
 ہیں کہ انکے خرچ کرنے سے نہ تو انتقام لیا جاسکتا ہے اور نہ مقصد حاصل اور نہ
 دشمن کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے بلکہ یہ لوگ گوسفند دن کی طرح کاٹ کر
 ڈال دیے جائیں گے لیکن مناسب یہ ہے کہ تم اپنے دعاۃ و مبلغین اطراف و
 اکاف میں روانہ کر کے لوگوں کو اپنی موافقت پر آمادہ کرو۔ (طبری جلد ۵۲)
 اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قتل حسین کے ذمہ دار اشخاص شیوخ و اشراف
 قابل تھے جنکی مذہبی حقیقت محض طور پر ہم نے سابق میں واضح کر دی اور یہ کہ
 جماعت شیعہ کو ان سے کوئی تعلق نہ تھا، نیز اس شیعہ جماعت کی جو کوفہ میں
 موجود تھی تعداد بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ وہ کوئی نایاب حیثیت نہ رکھتی تھی۔
 پھر وہ تقریر جو عبید اسد بن عبد اسد مری کی زبان سے تاریخ میں درج ہے اس میں بھی
 ہے کہ قتلہ عدوۃ وخذلہ ولبس قول للقاتل وملامۃ للخاذل ان الله
 لم يجعل لقاتلہ حجة ولا لخاذلہ معذرة الا ان یناصحہ الله فی التوبة
 فیجاہد القاتلین وینا بد القاسطین۔

”فرزند رسول کے لئے دشمن قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے اور دوستوں نے
 انکی مدد نہ کی پس عذاب کے مستحق ہیں انکے قاتل اور سرزنش کے لائق ہیں
 انکے جھوٹ دینے والے نہ انکے قاتل کے لئے خدا کے بیان کوئی حجت ہے اور
 نہ انکے بے مددگار جھوٹنے والوں کا کوئی عذر قابل سماعت ہے۔ مگر یہ کہ وہ

اب سچے دل سے توبہ کر کے اُنکے قاتلون سے جہاد کریں اور ظالموں سے جنگ کریں (ص ۱۵۵)
 وہ وقت کہ جب یہ لوگ بغیر جہاد کو فہ سے کر بلائے معلی آئے ہیں اُس موقع
 پر شہنشاہ بن محمد نے جو تقریر کی تھی اُس میں یہ فقرات قابل توجہ ہیں۔

قد قتلہم قوم نحن لہم اعداء ومنہم براء وقد خرجنا من
 الدیار والاہلین والاموال ارادة استیصال من قتلہم

”حسینؑ والنصار حسینؑ کو ایک ایسی جماعت نے قتل کیا جنکے ہم دشمن اور
 خبیثے ہم ہزار ہیں اور اب ہم اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر اپنے گھر سے اس لئے
 نکلے ہیں کہ اُنکے قاتلون کے رگ و ریشہ کو فنا کر دیں (ص ۱۵۶)“

ان تاریخی نصوص و شواہد سے آفتاب کی طرح روشن ہو جاتا ہے
 کہ جماعت شیعہ میں سے کوئی شخص بھی قتل امام حسینؑ کے لئے کر بلا میں موجود تھا
 بیشک انہر جو سب سے بڑا جرم عائد ہو سکتا ہے جس کے وہ خود معترف تھے
 وہ نصرت حسینؑ سے کنارہ کشی کرنا اور حضرت پر اپنی جانیں نثار کر دینے میں کوتاہی
 کرنا اگرچہ یہ جن اسباب و علل اور مشکلات و موانع پر مبنی تھا اُنکو کافی توضیح کے
 ساتھ حوالہ فلم کیا جا چکا ہو پھر بھی ہم اس کو جرم تسلیم کرنے پر تیار ہیں لیکن اس جرم
 سے سنگین تر نہیں کہ رسول کو میدان جنگ میں دشمنوں کے زعم میں تنہا چھوڑ کر اپنی
 جان کی حفاظت کے لئے فرار کریں اور حضرت عثمانؓ کو خود دار اختلاف اور مرکز حکومت
 مدینہ منورہ کے اندر بصر سے آئی ہوئی فوجوں کے حلقہ میں قصر کے اندر محصور چھوڑ کر

تماشا دیکھتے رہیں اور انکے قتل ہو جانے کے تین دن بعد تک انکی لاش دفن کرنے کی بھی جرات نہ کریں۔

یاد رہے کہ رسول اکرمؐ کے ساتھ صحابہ کرام میں سے جنگ احد میں دہلے آدمی بھی نہ رہے تھے اور جنگ خنین میں بارہ سے زیادہ لڑائی میں نہ بھڑکے تھے اور یوم الدار حضرت عثمانؓ کی مدد کے لئے انکی ماننے والی جماعت میں سے بین آدمی بھی جان نثار دکھلائی نہ دیتے تھے لیکن فرزند رسولؐ حسین بن علیؑ کے ساتھ جماعت شیعہ میں سے عزیز و اقارب کو چھوڑ کر کم از کم چون آدمی جانیں قربان کرنے والے نکل آئے تھے۔

کیا اسکے بعد بھی غیرت کا تقاضا ہو کہ جماعت شیعہ کو حسینؑ کی نصرت میں کوتاہی کا طعنہ دیا جائے یا اس سے بڑھ کر ان پر قتل حسینؑ کا غلط اور بے بنیاد الزام لگا یا جائے۔ والسلام

علی نقی النقی عفی عنہ

محرم ۱۳۵۱ھ

لکھنؤ

استدعا

اگر آپ حضرات اس تبلیغی سلسلہ کو مفید اور ضروری خیال فرماتے
ہوں تو مولانا کا نام لیکر اس دینی خدمت پر کمر بستہ ہو جائیے۔ جن حضرات کو
پروردگار عالم نے توفیق دی ہے وہ ان رسائل کی سوسو اور پچاس جلدیں
غیر شیعہ حضرات میں مفت تقسیم کریں اور جو مومنین اس سے مجبور ہوں وہ
کم از کم ایک ہی جلد خرید فرما کر کسی دوسرے غیر مذہب والے کو دیدیں۔ اگر
اس فریضہ کا احساس ہر ہر فرد قوم میں ہو جاوے تو انشاء اللہ ایک ہی
سال میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ کس قدر تبلیغی خدمات انجام پا جاتی ہیں اور
یہ سلسلہ کس طرح منجھ سکے گا۔

پروردگار عالم ہر مومن کو اس دینی خدمت کی طرف بحق محمد و آل محمد توجہ
کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

خادم ملت

سید احسن عفی عنہ

آزیری سکرٹری امامیہ مشن حسین آباد کھنؤ



امامیہ سن لکھنؤ کی دوسری نبی خدمت

”تحریف قرآن کی حقیقت“

یہ رسالہ بھی جناب سید العلماء مولانا السید علی نقی صاحب قبلہ محبتہ للعصر مدظلہ کی تصنیف سے ہے جو جنکا قلم فیصلہ کن بحث کا ضامن ہے۔

اس رسالہ میں تمام کتب ساویہ کی مقابلہ میں قرآن کریم کا اعتبار ایمان بالقرآن کی حقیقت اور اسی سلسلہ میں فریقین کے نقطہ نظر کا موازنہ اور اس امر کی تحقیق کی گئی ہے کہ کون فریق قرآن پر ایمان کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

قیمت فی رسالہ پانچ آنے اور خرچہ ڈاک ایک آنہ ہے جو حضرات صرف ایک رسالہ طلب فرما دیں وہ چھ آنے کے کلکٹ مرحمت فرما دیں

ملنے

سید ابن حسین آنریری سکریٹری امامیہ سن
حسین آباد لکھنؤ

يَا قَوْمَنَا الْجَبَّارِ عِيَالَهُ

اے قوم جبار! خدا کی طرف سے تمہارے لئے
برادرانِ ایمانی - سلام علیکم -

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ وہی مالک کے اندر اسے ہم کو اس قابل کر دیا کہ
ہم نہ صرف یہ دوسرا سالہ شائع کر سکے بلکہ رسالہ قاتلانِ حسینؑ کا مذہب کا دوسرا
اڈیشن بھی اسی کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ پروردگارِ عالم کی نصرت کے بعد
آپ ہی حضرات کی توجہ کا نتیجہ ہے۔ مگر ابھی اس سلسلہ میں بہت کچھ کرنا ہے جس کیلئے ضرورت ہے
کہ ہر مقام کے مومنین رفیق کارندین جن کے متعلق یہ خدمت ہوگی کہ وہ رسائل کی فروخت
اور دیگر ذرائع سے اس نیشن کی کامیابی کیلئے کوشش فرمادیں۔

اگر آپ حضرات نے رفیق کار کی تجویز کو عملی جامہ پہنایا تو آپ کبھیں جگے کر ایک
سال کے اندر تبلیغی سلسلہ میں طبع مستحکم سے مستحکم تر ہو جاتا ہے۔

ہم کو قوی امید ہے کہ اس تجویز پر تمام مومنین جلد از جلد توجہ فرما کر ہماری ہمت
افزائی فرمادینگے اور عند اللہ وعند الرسول ماجور ہوں گے۔

خادم ملت

سید ابن حسین . عفی عنہ
جنرل سکریٹری . امامیہ شین
حسین آباد - لکھنؤ

